بسم اللہ الرحمن الرحیم

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ

''اے ایمان والو! تم پر صوم فرض کیے گئے ہیں......''

ماہِ صیام

رابطہ کیلیے پتہ :

محمد حنیف، پوسٹ بکس نمبر ۷۰۲۸، مسجد توحید، توحید روڈ، کیماڑی، کراچی

فون: 2850510-2854484

بسم اللہ الرحمن الرحیم

رمضان المبارک ماہ صیام اور شہر القرآن ہے۔ یہ اسلامی تقویم کا نواں مہینہ ہے۔ بیان اللسان اور المنجد میں اس کا مادہ رَمَضَ باب سَمِعَ سے بھی آیا ہے اور باب ضَرَبَ اور نَصَرَ سے بھی۔ اوّل الذکر باب سے اس کے معنی دن کا بہت گرم ہونا، ریت وغیرہ کا تیز دھوپ سے جلنا، پیاس سے بدن کا گرم ہونا، تپتی زمین میں چلنا وغیرہ کے ہیں۔ جبکہ ثانی الذکر سے تلوار وغیرہ کے پھل کو دو پتھروں کے درمیان رکھ کر کوٹ کر دھار لگانے کے معنوں میں آتا ہے۔ یہی مادہ ثلاثی مزید فیہ میں تفعیل وافعال کے ابواب میں بکریوں کو سخت گرم زمین میں چرانے، کسی کو جلانے اور تکلیف دینے کے معنی دیتا ہے۔ احادیث میں بھی یہ لفظ ان معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قبا میں لوگوں کو صلوٰۃ الضحیٰ ادا کرتے دیکھا تو فرمایا:

صَلٰوۃُ الْاَوَّابِیْنَ حِیْنَ تَرْمَضُ الْفِصَالُ

''رجوع کرنے والے بندوں کی صلوٰۃ کا وقت جب ہے کہ اونٹ کے بچوں کے پیر جلنے لگیں۔''[1]

چونکہ اس مہینے میں روزہ رکھ کر نفس کی تربیت کی جاتی ہے، بھوکا پیاسا رہ کر اسے تپایا جاتا ہے، اور ایک طرح سے اسے کوٹ پیٹ کر سان لگایا جاتا ہے، اس لیے مندرجہ بالا تمام معنی ماہِ رمضان پر صادق آتے ہیں۔

رمضان کی فضیلت

ماہِ رمضان وہ مبارک مہینہ ہے جس کے لیے قرآن میں آیا ہے کہ:

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ (البقرۃ:۱۸۵)

''ماہ رمضان وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا۔''

(۱) صحیح مسلم، کتاب صلوۃ المسافرین و قصرھا، باب صلوۃ اللیل و عدد رکعات النبی ﷺ... عن زید بن ارقم رضی اللہ عنہ

اور یہ نزولِ قرآن رمضان کی ایک انتہائی بابرکت رات میں ہوا جسے مالک نے اپنی کتاب میں ہزار مہینوں سے افضل کہا ہے۔[1] امتِ مسلمہ کے لیے یہ رات بہت فضیلت والی ہے جس میں اللہ نے وہ مقدس کتاب اتاری جو

هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ (البقرۃ:۱۸۵)

''انسانوں کے لیے ہدایت اور ایسی واضح تعلیمات پر مشتمل ہے جو راہِ راست دکھانے والی اور حق و باطل کا فرق کھول کر رکھ دینے والی ہیں۔''

اور جو

يَهْدِىْ لِلَّتِىْ هِىَ اَقْوَمُ (بنی اسرائیل:۹)

''ایسے راستے کی طرف رہنمائی کرتی ہے جو سب سے سیدھا راستہ ہے۔''

ماہ رمضان کے فضائل سے متعلق روایات میں فرمانِ نبوی ﷺ ہے:

''سال کے آغاز سے آئندہ سال تک جنت کو رمضان کے لیے سجا دیا جاتا ہے۔''[2]

''رمضان کے آنے پر جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں۔''[3]

''جب رمضان شروع ہوتا ہے تو آسمان کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں، جہنم کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں اور شیاطین کو زنجیروں میں باندھ دیا جاتا ہے۔''[4]

ایک دوسری روایت میں اس طرح فرمایا کہ

''رمضان کے مہینے کی جب پہلی رات آتی ہے تو شیاطین اور سرکش جن (زنجیروں میں) جکڑ دیے جاتے ہیں اور جہنم کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں، کوئی بھی کھلا نہیں رہتا۔ اور جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں، کوئی بھی بند نہیں رہتا۔ اور آواز لگائی جاتی ہے کہ اے خیر کے طالب آگے بڑھ، اور اے طالبِ شر رک جا۔ اور اللہ کے بندے جہنم سے آزاد کیے جاتے ہیں۔ اور ہر رات میں ایسا ہی ہوتا ہے۔[5]

بعض روایات کے مطابق رمضان میں اعمالِ خیر کا اجر ستر گنا بڑھا دیا جاتا ہے۔ اگر رمضان میں عمرہ کیا جائے تو حج کے برابر ثواب ملتا ہے۔[6]

(۱) سورۃ القدر (۲) بیہقی بحوالہ مشکوۃ، کتاب الصوم، فصل ثالث، عن عبداللّٰہ بن عمر رضی اللہ عنہما (۳) صحیح بخاری: کتاب لصوم، باب ۱۱۸۹ ھل یقال رمضان ...... عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ (۴) ایضاً (۵) جامع ترمذی: ابواب الصوم، باب ماجآء فی فضل شھر رمضان، عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ/سنن ابن ماجۃ: کتاب الصیام، باب ۲ ماجآء فی فضل شھر رمضان، عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ (۶) صحیح بخاری: کتاب المناسک، ابواب العمرۃ، باب عمرہ فی رمضان، عن ابن عباس رضی اللہ عنہما

روزہ

روزے کے لیے قرآن وحدیث میں لفظ ''صوم'' استعمال ہوا ہے، ''روزہ'' فارسی لفظ ہے۔ المنجد اور بیان اللسان میں صوم کا مادہ باب نَصَرَ سے صَامَ آیا ہے، جس کے معنی رکے رہنے کے ہیں۔ ماءٌ صائمٌ کے معنی ہیں رکا ہوا پانی۔ اصطلاح میں کھانے پینے، جنسی خواہشات اور تمام منکرات سے صبح صادق سے غروب شمس تک رکے رہنے کو ''صوم'' کہا جاتا ہے۔ ابوزکریا محی الدین نَوَوِی اپنی شرح صحیح مسلم میں کتاب الصوم کی ابتداء میں لکھتے ہیں کہ

''لغت میں صوم اور صیام کے معنی مطلق امساک (یعنی رکنا) کے ہیں۔ اور (اصطلاح) شرع میں مخصوص وقت میں مخصوص شرائط کے ساتھ مخصوص امساک ہے۔''

مقصدِ صیام

رمضان کا مہینہ انتہائی خیر وبرکت کا مہینہ ہے۔ یہ مہینہ تزکیہ نفس، کردار سازی، اصلاحِ احوال، تعمیرِ سیرت، اخلاق کو سنوارنے، اطوار کو نکھارنے، عادات کو سدھارنے اور اعمال کو جلا بخشنے کا ایک مکمل تربیتی پروگرام اور ایک مفید Refresher Course ہے۔ ماہِ رمضان کی خصوصی عبادتیں صوم، تراویح اور اعتکاف ہیں جو تزکیہ نفس کا مؤثر ترین ذریعہ ہیں۔ ویسے تو بندگی رب کا مقصد ہی لوگوں میں تقویٰ پیدا کرنا ہے:

يَاأَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ (البقرة:٢١)

''اے انسانو! اپنے رب کی بندگی کرو جس نے تمہیں اور تم سے پہلے لوگوں کو پیدا کیا تا کہ تم متقی بن جاؤ۔''

اور عبادات کا نظام اس مقصد کے حصول میں بہت زیادہ مدد ومعاون ثابت ہوتا ہے۔ لیکن یہ روزے کا امتیاز ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا ذکر قرآن مجید میں بطورِ خاص فرمایا ہے:

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ (البقرة:١٨٣)

''اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کیے گئے، جیسا کہ تم سے پہلے لوگوں پر کیے گئے تھے، تا کہ تم متقی بن جاؤ۔''

روزہ تربیتِ انسانی کا ایک بہترین طریقہ اور مؤثر ذریعہ ہے۔ تزکیہ نفس اور شہوانی تحریکات کو قابو میں رکھنے کے لیے روزہ اکسیر کا کام کرتا ہے۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

''جو شخص قوتِ مردمی رکھتا ہو تو اسے چاہیے کہ وہ شادی کرے کیونکہ یہ بہت زیادہ نظروں کو نیچا رکھتی ہے اور شرم گاہ کی حفاظت کرتی ہے۔ لیکن جس کو یہ استطاعت نہ ہو تو وہ روزہ رکھے کہ یہ اس کے لیے وجاء (روکے رکھنے کا ذریعہ) ہے۔''(١)

روزے کی فرضیت

روزے کی فرضیت کے لیے ایمان لازمی شرط ہے جیسا کہ اللہ کے فرمان سے ظاہر ہوتا ہے کہ:

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ (البقرة:١٨٣)

''اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کیے گئے ہیں۔''

اور ظاہر ہے کہ یہاں ایمانِ خالص ہی مراد ہے جس کے حامل وہی لوگ ہوتے ہیں جو حقیقتاً اللہ کو الٰہ واحد مانتے ہیں، اس کی ذات وصفات، حقوق واختیارات، اوامر واحکامات، قدرت وتصرفات، اقتدار وحاکمیت، ملکیت وملوکیت میں کسی کو کسی بھی طرح شریک نہیں کرتے؛ اس کی کتاب کے ایک ایک حرف پر اس کی منشاء ومرضی اور اس کے آخری پیغمبر ﷺ کی بیان کردہ تشریح کے مطابق ایمان رکھتے ہیں اور انہی کو دین کی بنیاد، حجت اور حرفِ آخر جانتے ہیں، اور ان سے سرِ موانحراف کو کفر سمجھتے ہیں؛ اور ان کے خالص ایمان میں کسی بھی قسم کی آمیزش اور ملاوٹ نہیں ہوتی؛(٢) یہ ایمان ہر قسم کے شک وشبہ، ارتیابِ واسترداد سے یکسر خالی(٣) اکابر ومقابر پرستی، فرقہ ومسلک کی پیروی سے مُبَرّا، کتاب وسنت کی کسوٹی پر ٹھکا، پرکھا اور جانچا ہوا، کھرا اور ہر قسم کے کھوٹ سے پاک ہوتا ہے۔ صوم سمیت ہر قسم کی عبادت ایسے ہی خالص ایمان کے حامل لوگوں پر فرض ہے۔

جو لوگ اوپر بیان کردہ صفات والا ایمان نہیں رکھتے اور اس میں مختلف قسم کی ملاوٹ وآمیزش کرتے ہیں، مثلاً کتاب وسنت کے علاوہ کسی خودساختہ مسلک کی پیروی بھی کی جاتی ہو؛ دین کو بگاڑنے والی فرقہ ورانہ شخصیات سے بھی قلبی لگاؤ ہو؛ قبروں، مزاروں، آستانوں، خانقاہوں سے بھی وابستگی ہو اور ان میں مدفون ہستیوں کو زندہ، سنتا، بولتا، جانتا، نافع وضار، فیض وضرر رساں، داتا دستگیر، غوث، غوث الاعظم، مشکل کشا، خالی جھولیاں بھرنے والا، دلی

(١) صحيح بخاری: كتاب الصوم، باب ۱۹۳/۱۰ الصوم لمن خاف على نفسه العزوبه، عن عبدالله بن مسعود رضی اللہ عنہ (٢) الانعام:٨٢ (٣) الحجرات:١٥

مرادیں اور حاجتیں پوری کرنے والا، بیماری میں شفا، کاروبار میں برکت، رزق میں کشادگی، روزی میں فراوانی بخشنے والا، کھوٹی قسمتیں کھری کرنے والا، بیڑے پار لگانے والا، حسبِ خواہش بیٹا بیٹی دینے والا، وغیرہ وغیرہ سمجھا جاتا ہو؛ ان سے غائبانہ مدد مانگی جاتی ہو، استعانت واستمداد کے لیے ان کی دہائیاں دی جاتی ہوں، ان کے نعرے بلند کیے جاتے ہوں، دعاؤں میں ان کا توسّل اختیار کیا جاتا ہو اور یہ دعویٰ کیا جاتا ہو کہ اگر یہ ہماری درخواست اللہ تک پہنچائیں تو اللہ ہرگز رد نہ کرے گا؛ ان سے وابستہ اشیاء ومقامات حتیٰ کہ ان کی قبر تک کی شعائر اللہ جیسی تعظیم وتکریم کو عین تقاضائے ایمان جانا جاتا ہو؛ شریعتِ اسلامی کی پیروی کو نجات کے لیے کافی نہ سمجھا جاتا ہو بلکہ طریقت کی بھی ضرورت محسوس کی جاتی ہو اور فوز وفلاح کے حصول اور دین میں ترقی کے لیے نبی ﷺ کے فرمان کے بموجب آپ ﷺ کی سنت سے تمسک کے بجائے پیری مریدی کے ذریعے تصوف کے کسی سلسلے سے وابستہ ہونا ضروری خیال کیا جاتا ہو؛ قبرِ نبوی ﷺ کو اللہ کے عرش وکرسی وکعبہ سے بھی افضل گردانا جاتا ہو؛ نبی ﷺ کو جنت الفردوس کے اعلیٰ ترین مقام ''الوسیلہ'' کے بجائے مدینے کی قبر میں زندہ مانا جاتا ہو؛ اللہ کے رسول ﷺ کے قبر میں درود سننے اور ان پر اعمال پیش ہونے پر عقیدہ ہو؛ انہیں خلوت وجلوت میں ہر جگہ حاضر وناظر مانا جاتا ہو؛ ان کی پیدائش کے دن کو نبی ﷺ کے حکم کے خلاف عید بلکہ ''عیدوں کی عید'' کہہ کر یہود وہنود، نصاریٰ ومجوس کی طرح بلکہ ان سے بھی بڑھ کر انواع واقسام کی خرافات سے بھرپور جشن منایا جاتا ہو؛ نبی ﷺ کے اسوۂ حسنہ کی پیروی کے بجائے بدعاتِ کثیر پر بصد شوق اور عقیدت واحترام کے ساتھ عمل کیا جاتا ہو، مثلاً ہر نماز کے بعد کئی کئی دفعہ ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا، میت کو دفنا کر وہاں اذان دینا، اس کا تیجہ، چالیسواں، برسی، عرس وغیرہ کرنا، اس کی بلکہ تمام انبیاء واولیاء وعام مسلمانوں کی روح کو ایصال ثواب کرنے کے لیے قرآن خوانی کرنا، میلاد کرنا، کھانا وکپڑا تقسیم کرنا، مہینے، دن واوقات مقرر کرکے نذر ونیاز کرنا، وغیرہ وغیرہ؛ اللہ کے علاوہ اس کے نبیوں کو اور صوفیوں کو عالم الغیب جانا جاتا ہو؛ اعمال کا ثواب ایصال کیا جاتا ہو؛ ٹونوں، ٹوٹکوں، تعویذ گنڈوں، کڑوں چھلوں، نقشوں نگینوں کو مؤثر سمجھا جاتا ہو؛ مختلف حیلوں بہانوں سے اللہ کی

حرام کردہ چیزوں مثلاً سود، غیر اللہ کی نذر ونیاز کو حلال وجائز کرلیا جاتا ہو؛ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو خواب اور بلا خواب جیتی جاگتی آنکھوں سے دیکھنے اور ان کے اپنے گھر اور محفل میں آنے کے بھی دعوے کیے جاتے ہوں؛ قرآن کی آیات کو ابجد کے حروف میں تبدیل کرکے خود ساختہ علم الاعداد وجفر اور نجوم کے ذریعے گذشتہ وآئندہ کی خبریں دی جاتی ہوں؛ اللہ کی صفاتی حیثیت مثلاً مولیٰ، مولانا، سرکار، سرکارِ دوعالم، سرورِ کائنات، سید کونین، آقائے دوجہاں، وغیرہ اس کے نبیوں اور بندوں کو دے دی جاتی ہو؛ کائنات کی تخلیق کا سبب بفرمانِ الٰہی بندگی رب کے بجائے ذاتِ نبوی ﷺ کو قرار دیا جاتا ہو؛ قرآن میں معنوی تحریف کی جاتی ہو؛ اور اس کے احکامات کا کتمان کیا جاتا ہو؛ قرآن اور قوی احادیث کے مقابلے میں موضوع روایات کو دین کی اساس بنایا جاتا ہو؛ اللہ کے برگزیدہ انبیاء علیہم السلام پر وسیلے کے شرک کی تہمت لگائی جاتی ہو؛ خالق نور سبحانہ وتعالیٰ کو خود نور اور نبی ﷺ کو اس کا ایک ٹکڑا قرار دیا جاتا ہو، نبی آخر الزماں محمد ﷺ کے بعد کسی بھی معنیٰ ومفہوم میں کسی اور کی نبوت پر یقین کیا جاتا ہو؛ احبار ورہبان کی اندھی تقلید کی جاتی ہو اور صلوٰۃ کی امامت، اذان، قرآن کی تعلیم، نکاح خوانی وغیرہ امور دین کی اجرت ومعاوضہ کسی بھی شکل میں لیا جاتا ہو؛ تو ایسا اسلام ہرگز وہ اسلام نہیں جو محمد رسول اللہ ﷺ لے کر آئے تھے؛ جسے اللہ نے مسلمانوں کے لیے پسند کیا تھا؛[1] یہ دین وہ دین نہیں جو اللہ کو پسند ہے۔[2] ایسا دین اللہ کے یہاں مقبول نہیں[3] بلکہ مردود ہے[4]؛ ایسے دین کے ماننے والوں پر صوم وصلوٰۃ، حج وزکوٰۃ کچھ بھی فرض نہیں۔ اگر توبہ کیے بغیر اسی دین پر جان دی تو ان پر صرف ایک ہی چیز فرض ہے: جہنم کی آگ۔[5]

سورۃ البقرۃ کی زیر بحث آیت میں كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ (جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیے گئے تھے) کہہ کر قرآن ثابت کرتا ہے کہ روزے صرف محمد ﷺ کی امت پر ہی فرض نہیں کیے گئے بلکہ ان سے پہلے جو اہلِ ایمان قومیں گزری ہیں ان پر بھی یہ عبادت فرض تھی، کیونکہ

وَمَا كَانَ النَّاسُ إِلَّا أُمَّةً وَاحِدَةً فَاخْتَلَفُوا (یونس:۱۹)

''ساری انسانیت پہلے ایک ہی ملت واحدہ تھی پھر انہوں نے اختلاف کیا۔''

(۱) المائدۃ: ۳ (۲) آل عمران: ۱۹ (۳) آل عمران: ۸۵ (۴) متفق علیہ بحوالہ مشکوۃ باب الاعتصام/ صحیح مسلم: کتاب الاقضیہ، باب نقض الاحکام الباطلۃ، عن عائشۃ رضی اللہ عنہا (۵) الکہف: ۱۰۲/ الدھر: ۴

سابقہ امتوں کا دین بھی اسلام ہی تھا:

شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ (الشوری: ۱۳)

''اس (رب) نے تمہارے لیے دین کا وہی راستہ مقرر کیا ہے جس کے اختیار کرنے کا حکم نوح کو دیا تھا اور جس کی (اے محمد ﷺ!) ہم نے تمہاری طرف وحی بھیجی ہے اور جس کا ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ (علیہم السلام) کو حکم دیا تھا کہ دین کو قائم رکھنا اور اس میں تفرقہ نہ ڈالنا۔''

روزے غزوۂ بدر سے پہلے ۲ھ میں فرض ہوئے۔ روزے صرف ماہِ رمضان کے ہی فرض ہیں باقی کسی اور مہینے کے نہیں۔[1] یہ روزے ہر عاقل بالغ مسلمان پر فرض ہیں اِلّا یہ کہ مریض ہو یا مسافر (اور وہ دیگر ایام میں پورے کریں):

اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ۭ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰي سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ۭ (البقرۃ: ۱۸۴)

''(ایامِ صوم) گنتی کے چند روز ہیں، تو جو شخص تم میں سے بیمار ہو یا سفر میں ہو تو دوسرے دنوں میں روزوں کا شمار پورا کر لے۔''

ابتداءِ اسلام میں اختیار تھا کہ جو چاہے روزہ رکھے اور جو چاہے اس کے بدلے فدیہ دے دے:

وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ ۭ (ایضا)

''اور جو لوگ روزہ رکھنے کی طاقت رکھیں (لیکن رکھیں نہیں) تو وہ ایک روزے کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلا دیں۔''

لیکن بعد میں یہ رعایت منسوخ ہوگئی اور روزہ سب پر فرض ہوگیا:

فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ۭ (البقرۃ: ۱۸۵)

''پس جو کوئی تم میں سے اس مہینے کو پائے تو اسے چاہیے کہ اس (پورے مہینے) کے روزے رکھے۔''

البتہ اسی آیت کے اگلے فقرے میں مریض و مسافر کا استثنیٰ برقرار رہا کہ انہیں رخصت ہے کہ بعد میں یہ دن پورے کرلیں، یعنی چھوٹے ہوئے روزوں کی گنتی ضرور پوری کرنی ہے، ابھی نہیں تو بعد میں ہی سہی۔ مسافر کو اختیار ہے کہ چاہے تو روزے رکھے چاہے افطار کردے۔[2]

(۱) صحیح بخاری: کتاب الایمان، باب ۳۴ الزکوۃ من الاسلام، عن طلحۃ بن عبداللہ رضی اللہ عنہ

(۲) صحیح بخاری: کتاب الصوم، باب ۱۲۱۷ الصوم فی السفر و الافطار، عن عائشۃ رضی اللہ عنہا

نبی ﷺ نے بھی سفر میں روزے رکھے[1] اور نبی ﷺ کے ساتھ صحابہ نے بھی سفر میں روزے رکھے۔ اور نہیں بھی رکھے لیکن روزے دار اور غیر روزے دار ایک دوسرے پر کوئی عیب نہ لگاتے تھے۔[2] ترمذی نے یہ بات بیان کرتے ہوئے اس روایت میں ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کے اس قول کا بھی اضافہ کیا ہے کہ

مَنْ وَجَدَ قُوَّةً فَصَامَ فَحَسَنٌ وَمَنْ وَجَدَ ضُعْفًا فَاَ فْطَرَ فَحَسَنٌ

''جس کو طاقت ہو اور وہ روزہ رکھے تو خوب ہے، اور جس کو کمزوری ہو اور روزہ نہ رکھے تو وہ بھی خوب ہے۔''[3]

ویسے ابوداؤد نے نبی ﷺ کا یہ ارشاد بھی نقل کیا ہے کہ

''جس کے پاس ایسی سواری ہو جو اسے آسانی سے خاطر خواہ منزل پر پہنچادے اور اسے پیٹ بھر کھانا بھی ملتا ہو تو جہاں بھی وہ رمضان پائے اسے چاہیے کہ روزہ رکھے''[4]

البتہ ایسے سفر میں روزہ رکھنا کہ جس سے آدمی نڈھال ہوجائے، کسی کام کا نہ رہے، دوسرے اس کی خدمت میں لگے رہیں اور اجتماعی کام میں خلل واقع ہو، تو یہ منع ہے۔ ایسے روزے کے متعلق نبی ﷺ نے فرمایا کہ وہ کوئی نیکی نہیں۔[5] بلکہ ایسا روزہ نہ رکھنا ہی زیادہ ثواب ہے۔[6]

مسافر کے ساتھ حاملہ عورت اور بچے کو دودھ پلانے والی کے لیے بھی رمضان کے روزے نہ رکھنے کی رخصت ہے۔[7] عورتیں حیض کے دنوں میں روزے سے مستثنیٰ ہیں۔[8] یہ سب بعد میں قضا کرلیں۔[9] یہی حکم حالتِ نفاس کا بھی ہے۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے حاملہ عورت کے متعلق سوال ہوا کہ جب اسے اپنے حمل کا خوف ہو اور روزہ نہ رکھ سکے تو کیا

(۱) صحیح بخاری: کتاب الصوم، باب ۱۲۱۷ الصوم فی السفر و الافطار، عن عبد اللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ (۲) ایضا، باب ۱۲۲۰ لم یعب اصحاب النبی ﷺ بعضھم بعض فی الصوم والافطار، عن انس بن مالک رضی اللہ عنہ (۳) جامع ترمذی: ابواب الصوم، باب رخصۃ فی الصوم فی السفر، عن ابی سعیدالخدری رضی اللہ عنہ (۴) سنن ابی داؤد: کتاب الصوم، باب ۲۲۲ فیمن اختارالصیام، عن ابی سلمۃ (۵) صحیح بخاری: کتاب الصوم، باب ۱۲۱۹ قول النبی ﷺ لمن ظلل علیہ...... عن جابربن عبداللہ رضی اللہ عنہما (۶) متفق علیہ بحوالہ مشکوٰۃ، کتاب الصوم، باب صوم المسافر، فصل اوّل، عن انس بن مالک رضی اللہ عنہ (۷) سنن نسائی: کتاب الصیام، باب ۱۲۰۸ وضع الصیام عن الحبلیٰ والمرضع، عن انس رضی اللہ عنہ/جامع ترمذی: ابواب الصوم، باب رخصۃ فی الافطار للحبلی والمرضع، عن انس رضی اللہ عنہ/سنن ابی داؤد: کتاب الصوم، باب ۲۲۱ من اختارالفطر، عن انس رضی اللہ عنہ (۸) صحیح بخاری: کتاب الحیض، باب ۲۰۸ ترک الحائض الصوم، عن ابی سعیدالخدری/ کتاب الصوم، باب ۱۲۲۴ الحائض تترک الصوم والصلوٰۃ (۹) صحیح مسلم: کتاب الحیض، باب وجوب قضاء الصوم علی الحائض دون الصلوٰۃ، عائشۃ رضی اللہ عنہا

کرے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ روزہ نہ رکھے بلکہ نبی ﷺ کے مُدوں میں سے ایک مُد گندم ہر روزے کے بدلے میں دے دے۔[1]

یہاں یہ مسئلہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر ان لوگوں میں سے جن کے ذمے قضاء روزے ہیں، یہ روزے رکھنے سے پہلے مرجائیں تو کیا صورت ہو؟ اس معاملے میں صحابہ رضی اللہ عنہم کے اقوال درج ذیل ہیں:

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جب کوئی شخص رمضان میں بیمار ہوا اور اچھا ہوئے بغیر مرجائے تو اس کی طرف سے مسکینوں کو کھانا دیا جائے گا اور قضاء اس کے ذمے واجب نہ ہوگی، اگر اس نے کوئی نذر مانی ہو تو اس کا ولی اس کی طرف سے وہ نذر پوری کرے گا۔[2] عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جو مرجائے اور اس پر رمضان کے مہینے کے روزے ہوں تو ہر روزے کے عوض اس کی طرف سے ایک مسکین کو کھانا کھلایا جائے۔[3] جو بوڑھا بہت ضعیف ہوجائے تو وہ بھی روزے کا فدیہ دے سکتا ہے۔[4] فدیہ دینا ہی زیادہ صحیح ہے کیونکہ مؤطا امام مالک کی روایت میں انہی عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے ممانعتِ روزہ نقل کی گئی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ کوئی شخص کسی کی طرف سے نہ روزہ رکھے، نہ نماز پڑھے۔[5]

صومِ رمضان کی فضیلت

صوم رمضان بھی اسلام کے بنیادی ارکان میں سے ایک رکن ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا کہ اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے: اس بات کی شہادت کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، صلوٰۃ قائم کرنا، زکوٰۃ ادا کرنا، حج اور رمضان کے صیام۔[6] ایک دوسری روایت میں نبی ﷺ نے اللہ کی بندگی، اس کے ساتھ شرک نہ کرنے، صلوٰۃ قائم کرنے، زکوٰۃ دینے اور رمضان کے روزے رکھنے کو ہی اسلام بتایا۔[7] وفد عبدالقیس کو نبی ﷺ نے جنت

(۱) مؤطا امام مالک: باب۹ فدیۃ من افطر فی رمضان (۲) سنن ابی ابوداؤد: کتاب الصیام، باب ۲۱۹ فیمن مات و علیہ صیام (۳) جامع ترمذی: ابواب الصوم، باب الکفارۃ (۴) مؤطا امام مالک: باب۹ فدیۃ من افطر فی رمضان (۵) مؤطا امام مالک بحوالہ مشکوٰۃ، کتاب الصوم، باب القضاء، فصل ثالث (۶) صحیح بخاری: کتاب الایمان، باب ۲ قول النبی ﷺ بنی الاسلام علی خمس...... عن ابن عمر رضی اللہ عنہما (۷) صحیح بخاری: کتاب الایمان، باب ۳۷ سؤال جبرئیل النبی ﷺ عن الایمان...... عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ

میں جانے والی جو چار باتیں بتائیں، ان میں رمضان کے روزے رکھنا بھی شامل تھا۔[1]

احادیث میں صومِ رمضان کی بے انتہا فضیلت بیان کی گئی ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا کہ

> ''قسم اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے، اللہ کے نزدیک صائم (روزے دار) کے منہ کی بو مشک کی خوشبو سے زیادہ اچھی ہے۔ (اللہ فرماتا ہے کہ) صائم میرے لیے اپنا کھانا پینا اور شہوت چھوڑتا ہے، روزہ میرے لیے ہے اور میں خود ہی اس کی جزا دوں گا۔ اور ایک نیکی کے بدلے دس نیکیوں کا ثواب ملے گا۔''[2]

یہ صائم کا انتہائی اعزاز و اکرام ہے کہ مالک اس کے صوم کی نسبت اپنی ذاتِ شریفہ کے ساتھ فرما رہا ہے۔ صوم کا اللہ کے لیے ہونے کا یہ مطلب ہوسکتا ہے کہ صوم کا معاملہ بندے اور رب کے درمیان ہے۔ صلوٰۃ، زکوٰۃ، حج وغیرہ عبادات دوسرے لوگوں کے مشاہدے میں بھی آسکتی ہیں لیکن صوم تو ایسی کیفیت کا نام ہے جسے دوسرے نہیں دیکھ سکتے۔ اور یہ واقعی درست ہے کہ بندہ کھانا پینا وغیرہ صرف اللہ کی وجہ سے چھوڑتا ہے ورنہ وہ یہ کام چھپ کر بھی کرسکتا ہے۔ وضو کے دوران کلی کرتے ہوئے پانی نگل سکتا ہے، کسی کو پتہ بھی نہ چلے گا۔ اسی طرح صوم کی دوسری پابندیاں بھی وہ خفیہ طور پر توڑ سکتا ہے، لیکن وہ ایسا نہیں کرتا۔ ایسا کرنے میں اسے صرف اللہ کا خوف مانع ہوتا ہے۔ اسی لیے اللہ نے روزے کی نسبت اپنی طرف فرمائی ہے۔ اس میں ریاکاری بھی نہیں ہوسکتی، اخلاص ہی اخلاص ہوتا ہے، چنانچہ اس کا اجر بھی بے حد وحساب ہے۔

ایک دوسری حدیثِ قدسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

> ''آدم کی اولاد کا ہر عمل اسی کے لیے ہے سوائے صوم کے۔ بیشک صوم خاص میرے لیے ہے اور میں ہی اس کا بدلہ دوں گا۔'' صوم گناہوں کے لیے ڈھال ہے۔ جب تم میں سے کوئی صوم رکھے تو اسے چاہیے کہ وہ برے کاموں اور چیخ و پکار سے بچے۔ پھر اگر کوئی اسے گالی دے یا اس سے لڑے تو وہ یہ کہے کہ میں صائم ہوں۔ اور اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد (ﷺ) کی جان ہے! صائم کے منہ کی بو اللہ کو مشک کی خوشبو سے زیادہ پسند ہے۔ صائم کے لیے دو خوشیاں ہیں: ایک اس وقت جب وہ افطار کرے اور دوسری اپنے رب سے ملاقات کے وقت جبکہ وہ اپنے صوم کا ثواب دیکھے گا۔[3]

(۱) صحیح بخاری: کتاب الایمان: باب ۴۰ اداء الخمس من الایمان، عن ابن عباس رضی اللہ عنہما
(۲) صحیح بخاری: کتاب الصوم، باب ۱۱۸۶ فضل الصوم، عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ
(۳) صحیح بخاری: کتاب الصوم، باب ۱۱۹۳ ھل یقول انی صائم اذا شتم...... عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ

صائم کا ایک دوسرا زبردست اعزاز یہ ہے کہ اس کے لیے جنت کے آٹھ دروازوں میں سے ایک دروازہ مخصوص کر دیا گیا ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا کہ جنت میں ایک دروازہ ہے جس کو ریّان کہا جاتا ہے۔ قیامت کے دن صائم اس دروازے سے جنت میں داخل ہوں گے۔ ان کے سوا اور کوئی اس میں سے نہ جائے گا۔ پکار لگے گی کہ صائم کہاں ہیں۔ وہ اٹھ کھڑے ہوں گے۔ ان کے سوا اس میں سے کوئی نہ جائے گا۔ جب وہ داخل ہو جائیں گے تو وہ دروازہ بند کر دیا جائے گا۔ پھر کوئی اور اس میں سے داخل نہ ہوگا۔[1] ترمذی نے اس روایت میں اتنا مزید نقل کیا ہے کہ جو اس میں داخل ہوگا تو پھر کبھی پیاسا نہ رہے گا۔[2] نبی ﷺ نے فرمایا کہ صلوٰۃ، صوم اور صدقہ اس فتنے کا کفارہ بن جاتے ہیں جو انسان کے اہل وعیال، مال و منال اور ساتھی پڑوسیوں میں ہوتا ہے۔[3]

گناہوں کی معافی کا بہترین ذریعہ صومِ رمضان ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا کہ صلوٰۃ خمسہ اور جمعہ جمعہ تک اور رمضان دوسرے رمضان تک اپنے درمیان ہونے والے گناہوں کا کفارہ ہو جاتے ہیں۔[4] ایک دوسری روایت میں فرمایا کہ جس نے رمضان کے صوم ایمان اور احتساب کے ساتھ رکھے تو اس کے پچھلے گناہ معاف کر دیے گئے۔[5]

اس حدیث میں بھی ایمان کو صوم کی شرطِ اوّل کے طور پر بیان کیا گیا ہے، جس کا تفصیلی ذکر پچھلے صفحات میں کیا جا چکا ہے۔ یہاں ایمان کے ساتھ لفظ ''احتساب'' بھی استعمال ہوا ہے۔ احتساب سے کیا مراد ہے؟ عام طور پر اس کے معنی ''ثواب کی نیت'' بیان کیے جاتے ہیں۔ روزے ہی پر کیا موقوف، ہر نیک عمل، عبادت کا ہر ہر انداز مسلمان ثواب کی نیت سے ہی کرتے ہیں۔ اس کے دوسرے معنی وہ ہیں جو عام مستعمل ہیں یعنی حرکات وسکنات کی جانچ پڑتال، اعمال کا جائزہ و تجزیہ اور ان پر کڑی نظر کہ وہ احکام شرعیہ کے خلاف نہ ہونے پائیں۔ صوم کے مقصد وغرض وغایت یعنی تقویٰ پیدا کرنے کو مدِ نظر رکھتے ہوئے احتساب

(۱) صحیح بخاری: کتاب الصوم، باب ۱۱۸۸ (بلا عنوان) عن سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ

(۲) جامع ترمذی: ابواب الصوم، باب صوم ثلثۃ من کل شہر، عن سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ

(۳) صحیح بخاری: کتاب الصوم، باب ۱۱۸۷ الصوم کفارۃ، عن حذیفۃ رضی اللہ عنہ

(۴) صحیح مسلم: کتاب الطہارۃ، باب فضل الوضوء والصلوٰۃ عقبہ، عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ

(۵) صحیح بخاری: کتاب الایمان، باب ۲۸ صوم رمضان احتسابا من الایمان، عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ

کے مؤخر الذکر معنی ہی زیادہ صحیح ہیں، کیونکہ ایک موقوف حدیث میں تقویٰ کی تشریح اس طرح بیان کی گئی ہے کہ جس طرح ایک تنگ روش، جس کے دورویہ کانٹے دار جھاڑیاں ہوں، سے گزرتے ہوئے کپڑوں کو اچھی طرح سمیٹ کر چلا جاتا ہے کہ مبادا کانٹوں میں الجھ کر پھٹ نہ جائیں، اسی طرح دنیا کی راہ گذر پر چلتے ہوئے اپنے دامنِ ایمان کو معاصی ومنکرات کی خاردار جھاڑیوں سے بچانا ہے۔

حالتِ صوم میں اپنے اعمال کا احتساب کرنا چاہیے تاکہ کسی معصیت کا ارتکاب نہ ہو کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص جھوٹ بولنا اور برے کام نہ چھوڑے تو اللہ کو اس کی حاجت نہیں کہ کوئی اپنا کھانا پینا چھوڑ دے۔[1] دوسری جگہ فرمایا کہ کتنے ہی روزے دار ایسے ہیں جن کو روزوں سے سوائے پیاس کے کچھ نہیں ملتا، اور کتنے رات کو قیام کرنے والے ہیں کہ ان کو جاگنے کے سوا کچھ نہیں ملتا۔[2]

رویتِ ہلال

رمضان کے روزے رکھنے کے لیے نبی ﷺ نے فرمایا کہ چاند دیکھ کر روزے شروع کرو اور چاند دیکھ کر ہی موقوف کرو۔ اگر ابر چھا جائے (اور اس وجہ سے رمضان کا چاند نظر نہ آسکے) تو (شعبان کے مہینے کے) تیس دن پورے کرو (اور اگلے دن سے روزہ رکھو)۔[3] نبی ﷺ رمضان کے مہینے کا خاص اہتمام فرماتے تھے اور اس کے انتظار میں دن گنتے تھے۔ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ شعبان کی تاریخوں کو اچھی طرح یاد رکھتے، اس کے علاوہ کسی اور مہینے کا ایسا اہتمام نہ فرماتے، رمضان کا چاند دیکھ کر روزے شروع فرماتے، اگر اس دن ابر ہوتا تو شعبان کے تیس دن پورے فرماتے پھر روزے رکھنا شروع کرتے۔[4] اور جب چاند نظر آتا تو آپ ﷺ یہ دعا فرماتے:

اَللّٰھُمَّ اَھِلَّہٗ عَلَیْنَا بِالْیُمْنِ وَالْاِیْمَانِ وَالسَّلَامَۃِ وَالْاِسْلَامِ رَبِّیْ وَرَبُّکَ اللہُ

(۱) صحیح بخاری: کتاب الصوم، باب ۱۱۹۲ من لم یدع قول الزور والعمل بہ فی الصوم، عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ (۲) سنن دارمی، بحوالہ مشکوۃ، کتاب الصوم، باب تنزیہ الصوم، فصل ثانی، عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ (۳) صحیح بخاری: کتاب الصوم، باب ۱۱۹۵ قول النبی ﷺ اذا رایتم الہلال فصوموا...... عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ (۴) سنن ابی داؤد: کتاب الصوم، باب ۱۱۸۴ اذا غمی الشہر

''اے اللہ! اس ہلال کو ہم پر امن و ایمان، سلامتی اور اسلام کے ساتھ مبارک فرمانا۔ (اے چاند!) میرا اور تیرا رب اللہ ہے۔''[1]

ایک روایت میں نبی ﷺ کا حکم بھی مروی ہے کہ رمضان کے لیے شعبان کے مہینے کی گنتی کرتے رہو۔[2] مطلع ابر آلود ہونے کی وجہ سے اگر انتیس شعبان کی شام میں چاند نظر نہ آئے تو اگلا دن مشکوک ہوگا کہ آیا یہ شعبان کی تیس تاریخ ہے یا رمضان کی پہلی۔ ایسے شک کے دن کا روزہ رکھنے سے نبی ﷺ نے منع فرمایا ہے۔ عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جس نے اس دن روزہ رکھا اس نے نبی ﷺ کی نافرمانی کی۔[3] ایک روایت میں نبی ﷺ نے شعبان کے آخری دنوں میں روزہ رکھنے سے منع فرمایا۔[4]

جیسا کہ پہلے بیان ہوا، نبی ﷺ ماہِ رمضان کا چاند دیکھنے کا اہتمام فرماتے تھے۔ اگر آپ ﷺ نہ دیکھ پاتے تو دوسروں کے دیکھنے کی اطلاع پر روزے رکھنے کا اعلان فرما دیتے، جیسا کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی رویت پر کیا[5] موجودہ دور میں رویتِ ہلال کمیٹیاں جو چاند کی اطلاع دیتی ہیں وہ اس شرط پر پوری اترتی ہیں کیونکہ ان کی اطلاع مصدقہ ذرائع سے ہوتی ہے۔

ہر شہر و ملک کے لوگ اپنے اپنے علاقوں میں چاند دیکھ کر روزے رکھیں یا چھوڑیں، کیونکہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے جمعہ کی رات کو شام میں رمضان کا چاند دیکھا تھا، لیکن مدینہ میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے ہفتہ کی شب دیکھا تھا اور انہوں نے (مدینے والوں کے لیے) معاویہ رضی اللہ عنہ کی رویت کو تسلیم نہیں کیا۔[6] اپنے علاقے میں رویتِ ہلال نہ ہو تو مضافات کی رویتِ ہلال پر حکم نافذ کیا جائے گا۔[7]

مدتِ صوم

روزہ طلوعِ فجر یعنی صبحِ صادق سے مغرب تک جاری رہتا ہے۔ ابتداء میں روزے کی

(۱) جامع ترمذی: ابواب الدعوات، باب مایقول عند رویة الهلال، عن طلحة بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ (۲) جامع ترمذی: ابواب الصوم، باب ماجآء فی احصاء هلال شعبان لرمضان، عن ابی هریرة رضی اللہ عنہ (۳) صحیح بخاری تعلیقا: کتاب الصوم، باب ۱۱۹۵ قول النبی ﷺ اذا رایتم الهلال فصوموا/جامع ترمذی: ابواب الصوم، باب کراهیة الصوم یوم الشک (۴) صحیح بخاری: کتاب الصوم، باب ۱۱۹۸ لایتقدمن رمضان بصوم یوم والیومین، عن ابی هریرة رضی اللہ عنہ (۵) سنن ابی داؤد: کتاب الصوم، باب ۱۹۲ فی شهادة الواحد علی رویة هلال رمضان (۶) صحیح مسلم: کتاب الصوم، باب بیان ان لکل بلد رویتهم (۷) سنن ابی داؤد، کتاب الصوم، باب ۱۹۱ شهادة رجلین علی رویة هلال شوال

مدت طویل تھی۔ اس کا قاعدہ یہ تھا کہ اگر روزہ افطار کیے بغیر کوئی سو جاتا تو پھر وہ اگلے دن غروبِ آفتاب سے پہلے تک کچھ کھا پی نہیں سکتا تھا (یہی حکم جماع سے متعلق بھی تھا جیسا کہ آگے متعلقہ آیت سے ثابت ہوتا ہے)۔ اس حکم سے صحابہ رضی اللہ عنہم کو کچھ مشکل کا سامنا کرنا پڑا اور اس کی پابندی دشوار معلوم ہوئی (اور بعض تو جماع بھی کر بیٹھے)۔ اللہ نے آسانی فرمائی اور درج ذیل آیت نازل فرما کر اس پابندی کو ختم کر دیا جس سے صحابہ رضی اللہ عنہم بہت خوش ہوئے:[1]

أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَىٰ نِسَائِكُمْ ۚ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ۗ عَلِمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ كُنتُمْ تَخْتَانُونَ أَنفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنكُمْ ۖ فَالْآنَ بَاشِرُوهُنَّ وَابْتَغُوا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ ۚ وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ۖ ثُمَّ أَتِمُّوا الصِّيَامَ إِلَى اللَّيْلِ ۚ وَلَا تُبَاشِرُوهُنَّ وَأَنتُمْ عَاكِفُونَ فِي الْمَسَاجِدِ ۗ تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ فَلَا تَقْرَبُوهَا ۗ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ آيَاتِهِ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ

(البقرۃ: ۱۸۷)

''تمہارے لیے روزوں کے زمانے میں راتوں کو اپنی بیویوں کے پاس جانا حلال کر دیا گیا ہے۔ وہ تمہارے لیے لباس ہیں اور تم ان کے لیے۔ اللہ کو معلوم ہو گیا کہ تم لوگ چپکے چپکے اپنے آپ سے خیانت کر رہے تھے، مگر اس نے تمہارا قصور معاف کر دیا اور تم سے درگذر فرمایا۔ اب تم اپنی بیویوں کے ساتھ شب باشی کرو اور اللہ نے جو چیز تمہارے لیے لکھ رکھی ہے (یعنی اولاد) اسے طلب کرو۔ اور کھاؤ پیئو یہاں تک کہ تم کو سپیدۂ سحر کی دھاری شب کی سیاہ دھاری سے نمایاں نظر آ جائے۔ پھر روزہ (رکھ کر) رات تک پورا کرو۔ اور جب تم اعتکاف میں ہو تو ان سے مباشرت نہ کرو۔ یہ اللہ کی مقرر کردہ حدود ہیں، ان کے قریب نہ پھٹکنا۔ اس طرح اللہ اپنے احکام لوگوں کے لیے وضاحت کے ساتھ بیان کرتا ہے۔ توقع ہے کہ وہ غلط رویے سے بچیں گے۔''

صبح صادق کے تعین کے لیے نبی ﷺ نے یہ پہچان بتائی کہ جو روشنی عمود میں سیدھی اوپر جائے تو وہ روشنی صبحِ کاذب کی ہے اور جو روشنی افق پر پھیل جائے تو وہ صبحِ صادق ہے، اور یہی وقت

(۱) صحیح بخاری: کتاب الصوم، باب ۱۱۹۹ قول اللہ عزوجل أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَىٰ نِسَائِكُمْ، عن براء بن عازب رضی اللہ عنہ

ابتدائے سحر ہے جب کھانا پینا بند اور روزہ شروع ہو جاتا ہے۔[1] انتہائے سحر کے معاملے میں منٹوں اور سیکنڈوں کا تشدد نہیں کرنا چاہیے، کیونکہ نبی ﷺ نے اس میں سختی نہیں برتی اور دیر تک سحری کھانے کی ترغیب فرمائی۔ آپ ﷺ کا حکم سحری میں تاخیر اور افطار میں تعجیل کا ہے۔[2] اس میں آپ ﷺ نے یہاں تک رعایت رکھی کہ فرمایا: تم میں سے جو سحری کھاتے وقت فجر کی اذان سنے اور اس کے ہاتھ میں کھانے کا برتن ہو تو وہ برتن نہ رکھے یہاں تک کہ اس میں سے اپنی ضرورت پوری کر لے۔[3] دوسری جگہ فرمایا کہ تم کھاتے پیتے رہا کرو جب تک عبداللہ بن اُمِ مکتوم ؓ اذان نہ دیں کیونکہ بلال ؓ سحر سے کچھ قبل ہی اذان دیتے ہیں اور عبداللہ ؓ صبح ہونے کے بعد اذان دیتے ہیں۔[4] بلال ؓ کے فجر سے پہلے اذان دینے کی غرض یہ تھی کہ جو لوگ تہجد پڑھ رہے ہوں وہ اب آرام کریں اور سونے والے تہجد کے لیے اٹھ جائیں۔[5] عبداللہ بن ام مکتوم ؓ نابینا تھے۔ نابینا تو سپیدۂ سحر نہیں دیکھ سکتا۔ اس لیے جب روشنی ہو جانے پر لوگ انہیں اطلاع دیتے تھے تبھی وہ اذان دیتے تھے۔

نبی ﷺ نے سحری کھانے کی تاکید فرمائی۔ ارشاد فرمایا کہ سحری کھایا کرو کیونکہ سحری میں برکت ہوتی ہے۔[6] دوسری جگہ فرمایا کہ ہمارے اور اہل کتاب کے روزوں میں سحری کھانے کا فرق ہے (یعنی وہ سحری نہیں کھاتے اور ہم سحری کھاتے ہیں)۔[7] اور چونکہ اہل کتاب کا طریقہ اختیار کرنے سے نبی ﷺ نے منع فرمایا اور ان کی مخالفت کا حکم دیا[8] اس لیے سحری کھانی چاہیے، اہل کتاب یہودیوں وعیسائیوں کی طرح اسے چھوڑنا نہ چاہیے۔ اگر کوئی سحر میں نہ جاگ سکے اور اس وقت اٹھے کہ اذانیں ہو رہی ہوں تو بھی وہ کچھ کھا پی لے کہ نبی ﷺ نے

(۱) صحیح مسلم: کتاب الصیام، باب بیان ان دخول الصوم یحمل بطلوع الفجر، عن عبداللہ بن مسعود ؓ (۲) مؤطا امام مالک: کتاب الصلوۃ، باب ۱۵ وضع الیدین احداھما علی الاخریٰ (۳) سنن ابی داؤد: کتاب الصوم، باب ۱۹۲ الرجل یسمع النداء والاناء علی یدہ، عن ابی ھریرۃ ؓ (۴) صحیح بخاری: کتاب الصوم، باب ۱۲۰۱ قول النبی ﷺ لایمنعنکم من سحورکم اذان بلال ؓ، عن عائشۃ رضی اللہ عنہا (۵) صحیح مسلم: کتاب الصیام، باب بیان ان دخول الصوم یحمل بطلوع الفجر، عن عبداللہ بن مسعود ؓ / سنن ابی داؤد: کتاب الصیام، باب ۱۹۵ وقت السحور، عن عبداللہ بن مسعود ؓ (۶) صحیح بخاری: کتاب الصوم، باب ۱۲۰۲ برکۃ السحور، انس بن مالک ؓ (۷) صحیح مسلم: کتاب الصیام، باب فضل السحور واستحبابه، عمرو بن العاص ؓ / سنن ابی داؤد: کتاب الصیام، باب ۱۹۳ فی توکید السحور (۸) سنن ابی داؤد، : کتاب الصلوۃ، باب ۲۳۸ الصلوۃ فی النعل، عن شداد بن اوس ؓ

پیچھے بیان کردہ احادیث میں اذان کے بعد بھی صحابہ ؓ کو کھاتے پیتے رہنے کی اجازت دی۔ اگرچہ آج گھڑی گھنٹے اور دیگر آلاتِ جدیدہ کے ذریعے طلوعِ فجر کا منٹوں اور سیکنڈوں کا حساب بھی بتا دیا جاتا ہے اور سائرن وغیرہ کے ذریعے سب کو مطلع بھی کر دیا جاتا ہے، لیکن پھر بھی مذکورہ احادیث میں وسعت پائی جاتی ہے۔ اس لیے اذانوں اور سائرن کے بعد بھی کچھ کھا پی لینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ یہ سہل پسندی نہیں بلکہ عین اطاعتِ رسول ﷺ ہے۔ لیکن اگر کسی کی آنکھ صبحِ صادق کے بہت بعد کھلے تو پھر مجبوری ہے کہ یہ چیز خارج از ارادہ و اختیار تھی۔ اسے بغیر سحری کھائے ہی روزہ رکھ لینا چاہیے، لیکن افطار میں ضرور کچھ کھائیں۔ ایسا نہ کریں کہ بغیر سحری اور افطار کے پے در پے روزے رکھے (جنہیں اصطلاح میں صومِ وصال یا وصال کے روزے کہا جاتا ہے)، کیونکہ اس سے نبی ﷺ نے منع فرمایا ہے۔[1] جب نبی ﷺ سحری کھانے کے لیے کسی کو دعوت دیتے تو یوں فرماتے کہ برکت والے کھانے کی طرف آؤ۔[2] صحابہ کرام ؓ سحری کے کھانے کو ''فلاح'' بھی کہتے تھے۔[3] سحری کے متعلق نبی ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ دن کے روزے میں سحری کے کھانے سے مدد لو اور رات کے قیام (تہجد) میں مدد لو قیلولہ (دوپہر کو سونا) سے۔[4] فرمایا کہ مومن کے لیے کھجوریں سحری کا اچھا کھانا ہیں۔[5]

سنن اربع (سنن ترمذی، ابوداؤد، نسائی وابن ماجہ) کی کتب الصیام میں ام المومنین حفصہ رضی اللہ عنہا کی یہ روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص رات ہی سے روزے کی نیت نہ کرے گا تو اس کا روزہ نہ ہوگا۔ مؤطا امام مالک میں اس روایت کے ساتھ ان کے بھائی عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا قول بھی اس مضمون کا مروی ہے۔ اس لیے بہتر ہے کہ رات کو سونے سے قبل ہی روزے کی نیت کر لی جائے کہ مبادا سحری میں آنکھ نہ کھلے۔ یہ پابندی رمضان کے فرض روزے کے لیے ہے ورنہ نفلی روزے کی نیت سحری کھائے بغیر زوال کے بعد بھی کی جا سکتی ہے۔[6] نیت دل میں کیے جانے والے ارادے کو کہتے ہیں۔ اس کے لیے کچھ مخصوص

(۱) صحیح بخاری: کتاب الصوم، باب ۱۲۳۱ الوصال و من قال لیس فی اللیل صیام، عن انس بن مالک ؓ، وغیرہ (۲) سنن ابی داؤد: کتاب الصیام، باب ۱۹۴، من سمی السحور الغداء، عن عرباض بن ساریۃ ؓ (۳) سنن ابن ماجۃ: کتاب اقامۃ الصلوۃ والسنۃ فیھا، باب ۱۷۳ ماجآء فی قیام شھر رمضان، عن ابی ذر ؓ (۴) ایضا، کتاب الصیام، باب ۲۲ ماجآء فی السحور، عن ابن عباس رضی اللہ عنہما (۵) سنن ابی داؤد بحوالہ مشکوۃ، کتاب الصیام، باب بیان السحر، فصل ثالث، عن ابی ھریرۃ ؓ (۶) صحیح بخاری: کتاب الصوم، باب ۱۲۰۵ اذا نوی بالنھار صوما، عن سلمۃ بن الاکوع ؓ

الفاظ ادا کرنا صحاح ستہ کی احادیث میں مروی نہیں۔ عام طور پر روزے کی نیت کے جو الفاظ مشہور ہیں یعنی وَبِصَوْمِ غَدٍ نَوَیْتُ مِنْ شَهْرِ رَمَضَانَ (اور میں نے رمضان کے مہینے میں کل کے روزے کی نیت کی)، ان کی کوئی اصل نہیں۔ اور چونکہ نبی ﷺ یا صحابہ کرام ؓ سے ان الفاظ کا پڑھنا ثابت نہیں اس لیے ان کا پڑھنا بدعت ہے، اور ان کے پڑھنے پر اصرار کرنا یا اسے بہتر جاننا خود کو نبی ﷺ سے زیادہ عالم گرداننے کے مترادف ہے کیونکہ انہوں نے تو اس کی تعلیم نہیں فرمائی تھی۔ ایسا کرنا گستاخی رسول اور سنتِ نبوی کا مذاق اڑانا بھی ہے۔ دل میں روزے کا قصد کرنا ہی روزے کی نیت کے لیے کافی ہے۔ رات کو اٹھنا اور سحری کھانا، یہ سب کام روزے کی نیت کو ہی ظاہر کرتے ہیں۔

سحری کھا کر پھر رات تک روزے کو پورا کیا جائے جیسا کہ آیت مذکورہ ماقبل میں ہے کہ

ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ ۚ

''پھر تم رات تک روزوں کو پورا کرو۔''

نبی ﷺ نے فرمایا کہ جب رات آئی اور دن گیا اور سورج ڈوب گیا تو روزے کے افطار کا وقت ہو گیا۔[1] امام بخاری نے تعلیقاً روایت کیا ہے کہ صحابی رسول ابو سعید خدری ؓ نے اس وقت افطار کیا جب سورج کی ٹکیہ غائب ہو گئی۔[2] اختتامِ سحر و افطار کے لیے اذان، سائرن، بھونپو، ڈھول تاشوں یا منادی کی آواز سننا شرط نہیں۔ جب بھی وقت ہو جائے کر لینا چاہیے۔ نبی ﷺ افطار کے لیے عجلت کا حکم دیا کرتے تھے۔ فرمایا کہ لوگ ہمیشہ خیر پر رہیں گے جب تک افطار جلدی کریں گے۔[3] دوسری جگہ فرمایا کہ دین ہمیشہ غالب رہے گا جب تک لوگ جلدی افطار کریں گے کیونکہ یہود و نصاریٰ روزہ کھولنے میں دیر کیا کرتے ہیں۔[4] نبی ﷺ کے جلدی افطار سے متعلق ان واضح ارشادات کے بعد ان لوگوں کے قول و عمل کی کیا حیثیت رہ جاتی ہے جو بخلافِ فرمانِ رسول ﷺ سحری میں تعجیل اور افطار میں تاخیر کرتے

(۱) صحیح مسلم: کتاب الصیام، باب وقت انقضاء الصوم و خروج النهار، عن عمر ؓ / صحیح بخاری: کتاب الصوم، باب ۱۲۲۶ متى یحل فطر الصائم

(۲) صحیح بخاری: کتاب الصوم، باب ۱۲۲۶ متى یحل فطر الصائم (تعلیقًا)

(۳) صحیح بخاری: کتاب الصوم، باب ۱۲۲۸ تعجیل الافطار، عن سهل بن سعد ؓ

(۴) سنن ابی داؤد: کتاب الصیام، باب ۱۹۸ مایستحب من تعجیل الفطر، عن ابی هریرة ؓ

ہیں اور اسے احتیاط کا تقاضا بتا کر اس کی یہ توجیہ کرتے ہیں کہ سورج کی روشنی زمین پر آٹھ منٹ میں پہنچتی ہے اس لیے مکمل طلوعِ فجر بیان کردہ وقت سے آٹھ منٹ پہلے ہو چکی ہوتی ہے اور اسی طرح اصل غروب آفتاب بیان کردہ وقت کے آٹھ منٹ بعد واقع ہوتا ہے۔ ذٰلك قولهم بافواههم۔ کیا یہ لوگ نبی ﷺ اور صحابہ کرام ؓ سے زیادہ دین کا فہم رکھتے ہیں جنہوں نے یہ بات نہ سوچی تھی۔ وہ لوگ تو سورج کی گولائی چھپتے ہی افطار کر لیا کرتے تھے جیسا کہ پیچھے ابو سعید خدری ؓ کا معمول نقل کیا گیا۔ اور خود نبی ﷺ افطار میں کتنی جلدی فرماتے تھے اس کا اندازہ اس حدیث سے ہو گا: عبداللہ بن ابی اوفی ؓ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سفر میں تھے اور نبی ﷺ روزے سے تھے۔ جب سورج ڈوب گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: اے بلال! اترو اور ہمارے لیے ستو گھولو۔ بلال ؓ نے کہا کہ یا رسول اللہ! شام تو ہونے دیجیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اترو اور ہمارے لیے ستو گھولو۔ انہوں نے کہا کہ یا رسول اللہ! ابھی تو آپ پر دن ہے۔ آپ ﷺ نے پھر فرمایا کہ اترو اور ہمارے لیے ستو گھولو۔ پھر وہ اترے اور ستو گھولا۔ نبی ﷺ نے اسے پیا اور پھر فرمایا کہ جب تم دیکھو کہ رات ادھر سے آئے تو روزہ دار افطار کر لے۔ آپ ﷺ نے انگلی سے مشرق کی سمت اشارہ کیا۔[1] نبی ﷺ کے قول و عمل کے بعد پھر کسی کے قول و عمل کی کوئی حیثیت نہیں:

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ؕ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا (الاحزاب: ۳۶)

''کسی مومن مرد اور مومنہ عورت کو حق نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی معاملے میں فیصلہ کر دیں تو وہ اس کام میں اپنا بھی کچھ اختیار سمجھیں۔ اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا تو وہ صریح گمراہ ہو گیا۔''

حکم ربی ہے کہ:

وَمَاۤ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۘ (الحشر: ۷)

(۱) صحیح بخاری: کتاب الصوم، باب ۱۲۲۸ تعجیل الافطار / صحیح مسلم: کتاب الصیام، باب وقت انقضاء الصوم و خروج النهار / سنن ابی داؤد: کتاب الصوم، باب ۲۹۷ وقت فطر الصائم، سهل بن سعد ؓ

’’رسول جو کچھ تمہیں دے اسے تھام لو اور جس سے وہ تمہیں منع کرے تو اس سے تم رک جاؤ، اور اللہ سے ڈرو۔ بیشک اللہ بہت شدید عذاب دینے والا ہے۔‘‘

اللہ کے اس حکم کی تعمیل میں رسول ﷺ کے طریقے کو اختیار کرتے ہوئے جلدی افطار اور دیر تک سحری کرنا چاہیے کہ

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ (الاحزاب: ۲۱)

’’جو اللہ (سے ملنے) اور آخرت (میں سرخرو ہونے) کا آرزومند ہے تو اس کے لیے اللہ کے رسول (کی سیرت) میں بہترین نمونہ ہے۔‘‘

لیکن تعجیل کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وقت سے پہلے ہی افطار کر دیا جائے کیونکہ جس نے وقت سے پہلے افطار کیا تو اگر سہواً کیا تو اس کے ذمے صرف اسی روزے کی قضاء رکھنا واجب ہے لیکن اگر قصداً قبل از وقت افطار کیا تو قضاء کے ساتھ ساتھ کفارہ بھی لازم آئے گا جس کا بیان آگے آ رہا ہے۔ اسماء بنتِ ابوبکر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ کے زمانے میں ہم نے ایک دن ایسے وقت میں روزہ افطار کر لیا جب بادل چھائے ہوئے تھے (اور انہوں نے گمان کیا کہ سورج غروب ہوگیا)۔ پھر ابر کھل گیا اور سورج نکل آیا۔ لوگوں نے ہشام سے پوچھا تو قضاء رکھنے کا حکم ہوا۔ انہوں نے کہا کہ قضاء تو ضرور ہے۔ (۱)

افطار کا وقت قبولیتِ دعا کا ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا کہ تین آدمیوں کی دعا رد نہیں کی جاتی: امامِ عادل، روزہ دار جب وہ افطار کرے، اور مظلوم۔ (۲) نبی ﷺ جب افطار فرماتے تو یہ دعا کرتے:

اَللّٰهُمَّ لَكَ صُمْتُ وَعَلٰى رِزْقِكَ اَفْطَرْتُ

’’اے اللہ میں نے تیرے ہی لیے روزہ رکھا اور تیرے ہی رزق سے افطار کیا۔‘‘ (۳)

(ہمارے یہاں کے لوگوں نے اس دعا میں اٰمَنْتُ، تَوَكَّلْتُ وغیرہ کے الفاظ بڑھا دیے ہیں جو کہ نبی ﷺ کے طریقے میں اضافہ ہیں۔ نبی ﷺ کے قول و عمل میں کمی بیشی کا کسی کو اختیار نہیں)

عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما اس طرح دعا کرتے:

---

(۱) صحیح بخاری: کتاب الصوم، باب ۱۲۲۹ اذا افطر فی رمضان ثم طلعت الشمس

(۲) ابن ماجۃ: کتاب الصیام، باب الصائم لاترد دعوتہ، عن ابی ہریرۃ ؓ

(۳) سنن ابی داؤد: کتاب الصیام، باب ۲۰۰ القول عند الافطار، عن معاذ بن زہرۃ ؓ

اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ بِرَحْمَتِكَ الَّتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ اَنْ تَغْفِرَ لِيْ

’’اے اللہ میں تیری اس رحمت کے ذریعے جو ہر شے پر چھائی ہوئی ہے تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ تو مجھے بخش دے۔‘‘ (۱)

نبی ﷺ نے فرمایا کہ جو تم میں سے روزہ رکھے تو چاہیے کہ کھجور سے افطار کرے، پھر اگر کھجور نہ ملے تو پانی سے کرے کہ پانی پاک کرنے والا ہے۔ (۲) نبی ﷺ صلوٰۃ ادا کرنے سے قبل چند کھجوروں سے افطار فرماتے۔ اگر تر نہ ملتیں تو خشک کھجور ورنہ پانی کے چند گھونٹ پی لیا کرتے۔ (۳) پھر یہ دعا فرماتے:

ذَهَبَ الظَّمَاءُ وَابْتَلَّتِ الْعُرُوْقُ وَ ثَبَتَ الْاَجْرُ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ

’’پیاس بجھ گئی اور رگیں تر ہوگئیں اور ثواب ثابت ہوگیا، انشاء اللہ۔‘‘ (۴)

یاد رہے کہ یہ تمام دعائیں بغیر ہاتھ اٹھائے کی جائیں گی کیونکہ نبی ﷺ نے اسی طرح بلا ہاتھ اٹھائے ہی مانگی تھیں اور سنت کا تقاضا ہے کہ جس طرح نبی ﷺ نے کیا اسی طرح کیا جائے۔

روزہ افطار کرانا بھی بہت ثواب و اجر کا کام ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا کہ جو کوئی کسی صائم کو افطار کرائے تو اس کو صائم کے برابر ہی ثواب ملے گا اور صائم کا اجر کم نہ ہوگا۔ (۵) ایک بار نبی ﷺ نے سعد بن معاذ ؓ کے یہاں افطار کیا تو فرمایا: تمہارے پاس روزہ داروں نے افطار کیا، نیکوکاروں نے تمہارا کھانا کھایا اور فرشتوں نے تمہارے لیے دعا کی۔ (۶)

مشاغلِ رمضان

جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا، رمضان کا مہینہ سیرت و کردار اور اخلاق و اوصاف کی تعمیر اور اصلاح کا بہترین وقت ہے، اس لیے چاہیے کہ مومنین اس زریں موقع سے فائدہ اٹھائیں اور جو کمی کوتاہی ایامِ گزشتہ میں ہوگئی، اب اس کا ازالہ کریں، اپنے اعمال کا محاسبہ کریں، رمضان کی مبارک ساعتیں اپنے مالک کی بندگی میں صرف ہوں، زبان اللہ کے ذکر سے تر رہے:

---

(۱) سنن ابن ماجۃ: کتاب الصیام، باب ۴۸ الصائم لاترد دعوتہ، عن ابی ہریرۃ ؓ (۲) سنن ابی داؤد: کتاب الصیام، باب ۱۹۹ مایفطر علیہ/جامع ترمذی: ابواب الصوم، باب مایستحب علی الافطار، عن سلمان بن عامر ؓ (۳) ایضاً، عن انس بن مالک ؓ (۴) سنن ابی داؤد: کتاب الصیام، باب ۲۰۰ القول عند الافطار، عن معاذ بن زہرۃ ؓ (۵) سنن ابن ماجۃ: کتاب الصیام، باب ثواب من فطر صائماً، عن زید بن خالد الجہنی ؓ (۶) ایضاً، عن عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہما

سُبۡحَانَ اللهِ، اَلۡحَمۡدُلِلّٰهِ، اَللّٰهُ اَکۡبَرُ، لَااِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ، سُبۡحَانَ اللهِ وَ بِحَمۡدِهٖ سُبۡحَانَ اللهِ الۡعَظِیۡمِ، لَاحَوۡلَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّا بِاللهِ ، اَسۡتَغۡفِرُاللهَ وَاَتُوۡبُ اِلَیۡهِ، وغیرہ اذکارِ مسنونہ سے رطب اللسان رہیں، نبی ﷺ پر درود کی کثرت ہو، معانی ومطالب پر غور کرتے ہوئے قرآن مجید کی تلاوت بھی کی جائے، آیاتِ بشارت پر اللہ کی رحمت طلب کی جائے اور آیاتِ وعید پر اللہ کے عذاب سے پناہ مانگی جائے، زیادہ سے زیادہ قرآن یاد کریں، ہر موقع کی مسنون دعا وردِ زبان رہے، فرض نمازوں کا باجماعت اہتمام پہلے سے بڑھ کر خشوع وخضوع سے ہو، ہر وقت قلب وذہن اپنے مالک کی طرف رجوع رہیں، زیادہ سے زیادہ نوافل کا اہتمام ہو، (بالخصوص تہجد کا کیونکہ رات کے نوافل سب سے افضل ہیں جن کا ذکر آگے آرہا ہے)، حقوق اللہ کے ساتھ حقوق العباد میں بھی کوئی کوتاہی نہ کی جائے، نظر وفکر، گوش ودل، ہر عضوِ بدن اللہ کی اطاعت میں لگا ہو اور حتی الوسع اللہ کی نافرمانی سے بچا جائے، زیادہ سے زیادہ نیک اعمال کرنے کا شوق ہو، بس ایک دھن سی لگ جائے کہ یہ اجرِ بے بہا حاصل کرنے کا موقع ہے۔ جس طرح تجارت پیشہ لوگ اپنی مصنوعات کے سیزن میں انتہائی مصروف ہو جاتے ہیں اور زیادہ سے زیادہ کمانے کی فکر کرتے ہیں، اسی طرح رمضان نیکیوں اور خیر وبرکت کا سیزن ہے، اس لیے زیادہ سے زیادہ نیکیاں کمایے۔ اس ماہِ مبارک میں ہمارے ماضی اور حال میں نمایاں فرق ہو۔ ایسا نہ ہو کہ جو کام رمضان سے پہلے ہو رہے تھے بحالتِ صوم بھی حسبِ معمول جاری رہیں، آنکھیں اسی طرح نظاروں کی متلاشی، کان اسی طرح سمعی عیاشی میں مشغول، زبان پہلے کی طرح ہفوات میں مصروف اور دل ویسے ہی دنیا میں مگن۔ ایسے شخص پر تو ''نیکی برباد گناہ لازم'' کا محاورہ چسپاں ہونے کے بعد پیچھے بیان کردہ وہ حدیث صادق آتی ہے جس میں نبی ﷺ نے فرمایا کہ بہت سے روزے دار ایسے ہیں کہ جنہیں روزے سے سوائے بھوکا پیاسا رہنے کے کچھ نہیں ملتا۔(۱) اس لیے ضروری ہے کہ خود اصلاحی کے اس سنہری موقع کو گنوا کر اس ماہِ مقدس کی برکتوں سے محروم نہ رہا جائے بلکہ اس سے پورا پورا فائدہ اٹھایا جائے، کیونکہ ایک حدیث میں نبی ﷺ کا فرمان ہے کہ اس شخص کی ناک خاک آلود ہو جس کے پاس میرا ذکر کیا جائے اور وہ مجھ پر درود نہ پڑھے، اور اس شخص کی ناک بھی خاک آلود

(۱) دارمی، بحواله مشکوة، کتاب الصوم، باب تنزیه الصوم، فصل ثانی

ہو جس پر رمضان داخل ہوا اور چلا گیا لیکن اس کی مغفرت نہ ہوئی، اور اس کی ناک بھی خاک آلود ہو جس نے اپنے ماں باپ یا ان میں سے کسی ایک کو بوڑھا پایا اور ان کی خدمت نے اسے جنت میں نہ پہنچایا۔(۱) اللہ تعالیٰ ہمیں اس عظیم محرومی سے بچائے، اور اس ماہِ مبارک کی برکتیں حاصل کرنے کی توفیق عنایت فرمائے۔ آمین

مباحات، ممنوعات و مفسداتِ صوم

☆ اگر رات کو جنابت ہو گئی تو بھی حالتِ جنابت میں سحری کھا کر روزہ رکھ لیں، اور صلوٰۃ الفجر سے پہلے غسل کر لیں۔(۲)

☆ جان بوجھ کر قے کرنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔(۳)

☆ بحالتِ روزہ احتلام ہونے، قے آنے اور سینگی لگوانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔(۴)
[سینگی لگوانا زمانہ قدیم میں ایک طریقۂ علاج تھا جس میں سوراخ کیے ہوئے سینگ کے ذریعے کمر یا جسم کے کسی دوسرے حصے سے سینگ سے زور سے سانس کھینچ کر فاسد خون نکالا جاتا تھا جس سے منہ میں خون بھر جاتا تھا۔ احادیث میں اس فعل کو ''حجامت'' اور کرنے والے کو ''حجام'' کہا گیا ہے۔]

☆ جب کوئی روزے میں بھولے سے کچھ کھا پی لے تو روزے پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔ وہ روزہ پورا کرے کہ اسے اللہ نے کھلایا پلایا۔(۵)

☆ روزے میں بے ہودہ گوئی، جھوٹ اور غیبت نہ کرے کہ پھر اللہ کو اس روزے کی کوئی حاجت نہیں رہتی۔(۶)

☆ روزے میں لڑائی جھگڑے سے بچیں، اگر کوئی گالی دیں تو (یہ نہیں کہ ''ہم تجھ سے کیا کم ہیں'' کے مصداق فوراً اس کا ترکی بہ ترکی جواب دیدیا جائے اور اس کی اس گستاخانہ جرأت پر اس کو مزہ چکھانے کے درپے ہو جائیں، بلکہ برداشت کریں اور) کہدیں کہ میں روزے سے ہوں، میں روزے سے ہوں۔(۷)

(۱) جامع ترمذی:ابواب الدعوات،باب (بلاعنوان) صفحه ۲۹۷،عن ابی هریرةؓ (۲) صحیح بخاری: کتاب الصوم، باب ۱۲۰۲الصائم یصبح جنبا/سنن ابن ماجة: کتاب الصوم، باب ۲۷ماجآء فی الرجل یصبح جنبا و هو یرید الصیام، عن عائشةؓ(۳) سنن ابی داوٗد: کتاب الصیام، باب ۲۱۰الصائم یستقی عامداً/جامع ترمذی: ابواب الصوم، باب من استقاء عمداً/ دارقطنی:کتاب الصیام، باب القبلة للصائم، جلد ۲، صفحه ۱۸۳، عن ابی هریرةؓ (۴) دارقطنی ایضًا (۵) صحیح بخاری: کتاب الصوم، باب ۱۲۱۰ الصائم اذا اکل او شرب ناسیا، عن ابی هریرةؓ (۶) سنن ابی داوٗد: کتاب الصیام، باب ۲۰۳الغیبة للصائم/جامع ترمذی: ابواب الصوم، باب تشدید فی الغیبة للصائم، عن ابی هریرةؓ (۷) سنن ابی داوٗد: کتاب الصیام، باب ۲۰۳الغیبة للصائم

☆ روزے میں مسواک کی جا سکتی ہے، خواہ خشک ہو یا تر و تازہ۔[۱]
☆ روزے کی حالت میں آنکھوں میں سرمہ لگایا جا سکتا ہے۔[۲]
☆ بخاری نے چار معلق روایات میں صحابہ و تابعین کے مختلف اقوال نقل کیے ہیں جن کے مطابق روزے دار کے لیے حوض میں غوطے لگانا، غسل کرنا، کپڑا بھگو کر بدن پر ڈالنا، جسم کو ٹھنڈا کرنا، تیل لگانا، کنگھی کرنا، تھوک نگلنا، کلی کرنا، سب جائز ہے۔ اور وضو کے دوران ناک میں پانی چڑھاتے وقت اگر پانی حلق میں آ جائے اور نکالا نہ جا سکے (اور بالآخر نیچے اتر جائے) تو روزہ نہ ٹوٹے گا۔ اسی طرح اگر حلق میں مکھی چلی جائے، بھول کر جماع کر لے تو بھی روزہ نہیں جاتا۔ اگر حلق تک نہ پہنچے تو بحالتِ صوم ناک میں دوا ڈالی جا سکتی ہے۔[۳]
☆ صائم کو دورانِ وضو ناک میں پانی چڑھانے میں مبالغہ نہیں کرنا چاہیے۔[۴]
(یعنی خوب پانی نہ چڑھائے بلکہ ہلکا سا چڑھالے)
☆ حیض آنے پر روزہ ٹوٹ جائے گا۔ بعد میں قضا بھی رکھنی پڑے گی۔[۵]
☆ بچوں کو روزہ رکھوایا جا سکتا ہے تاکہ ان میں دینی جذبہ اور عبادت کا شوق پیدا ہو۔ صحابہ رضی اللہ عنہم بھی اپنے بچوں کو روزے رکھواتے تھے۔[۶] لیکن اس کے لیے روزہ کشائی کی تقریبات منعقد کرنا احادیثِ صحاح سے ثابت نہیں۔ روزے داروں کا روزہ افطار کرانا بڑی فضیلت کا کام ہے اور صحابہ رضی اللہ عنہم ایک دوسرے کا افطار کراتے تھے اور خود نبی ﷺ نے بھی دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ہمراہ دوسروں کے یہاں افطار کیا ہے، جیسا کہ گزشتہ صفحات میں بیان کی گئی احادیث سے ثابت ہے۔ لیکن ہمارے زمانے میں افطار پارٹی اور روزہ کشائی کے نام سے منعقد کی جانے والی تقریبات نمود و نمائش، ریاکاری، تصویرکشی و دیگر خرافات کا مجموعہ بن

(۱) صحیح بخاری: کتاب الصوم، باب ۱۲۱۱ سواك الرطب و اليابس للصائم (تعليقاً) / سنن ابی داؤد: کتاب الصیام، باب ۲۰۴ عن عامر بن ربیعة رضی اللہ عنہ (۲) سنن ابی داؤد: کتاب الصوم، باب ۲۰۹ فی الكحل عند النوم، عن انس بن مالک رضی اللہ عنہ / صحیح بخاری تعلیقاً، کتاب الصوم، باب ۱۲۱۲ قول النبی ﷺ اذا توضاء فليستنشق...... (۳) صحیح بخاری: کتاب الصوم، باب ۱۲۰۹ اغتسال الصائم، باب ۱۲۱۰ الصائم اذا أكل او شرب ناسيا، باب ۱۲۱۱ سواك الرطب واليابس للصائم، باب ۱۲۱۲ قول النبی ﷺ اذا توضاء فليستنشق...... (۴) جامع ترمذی: ابواب الصوم، باب كراهية مبالغة الاستنشاق للصائم، عن لقيط بن صبرة رضی اللہ عنہ (۵) ایضاً، باب قضاء الحائض الصيام دون الصلوة، عن عائشة رضی اللہ عنہا (۶) صحیح بخاری تعلیقاً: کتاب الصوم، باب ۱۲۳۰ صوم الصبيان

جانے کی وجہ سے بالکل ناجائز بن گئی ہیں جن میں شرکت بھی مومنین صالحین کو زیبا نہیں۔
☆ روزے دار کے سامنے کچھ کھایا پیا جائے (اور وہ صبر کرے) تو فرشتے اس کے لیے دعا کرتے ہیں۔[۱]

قضاء و کفارۂ صوم

سورۃ البقرۃ کی آیاتِ صوم میں جہاں اللہ نے مریض و مسافر کو رخصت دی ہے وہیں فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ کہہ کر یہ بھی واضح کر دیا کہ یہ روزے ان پر معاف نہیں ہوئے بلکہ دوسرے دنوں میں رکھنے ہیں، یعنی مسافر سفر سے واپس آ کر اپنے مقام پر اور مریض مرض سے صحت پا کر یہ روزے رکھے گا۔ اس طرح ایک فرض کو اس کے مقررہ وقت کے علاوہ بعد میں کسی وقت ادا کرنے کو قضاء کرنا کہتے ہیں۔ مریض و مسافر کے علاوہ جن لوگوں کو مخصوص حالات میں روزے کی رخصت دی گئی ہے، جس کا بیان پیچھے گزر چکا ہے، وہ بھی ان مخصوص حالات کے گزر جانے پر روزے کی قضاء رکھیں گے، مثلاً حائضہ حیض سے اور نافسہ نفاس سے پاک ہو کر، حاملہ وضعِ حمل کے بعد، مرضعہ رضاعت سے فارغ ہو کر، یہ روزے پورے کریں۔ البتہ شرع میں یہ آسانی ہے کہ یہ قضاء روزے آئندہ رمضان تک درمیانی عرصے میں کبھی بھی رکھے جا سکتے ہیں۔ عائشہ رضی اللہ عنہا رمضان کے قضا شدہ روزے دس مہینے گزر جانے کے بعد ماہِ شعبان میں رکھتی تھیں کہ نبی ﷺ کی خدمت میں مشغول رہنے کے سبب وقت نہ ملتا تھا۔[۲] قضاء روزے مسلسل لگاتار یا وقفے سے چھوڑ چھوڑ کر دونوں طرح سے رکھے جا سکتے ہیں کہ اس باب میں صحابہ رضی اللہ عنہم کے دونوں طرح کے اقوال ملتے ہیں۔[۳]

بغیر کسی قوی عذر یعنی بیماری وغیرہ کے روزہ نہیں توڑنا چاہیے، اور مرض وغیرہ میں بھی جب تک اضطراری کیفیت نہ ہو، البتہ جب جان پر ہی بن جائے تب ہی روزہ توڑا جا سکتا ہے کہ اس حالت میں تو حرام بھی بقدرِ بقائے جان حلال ہو جاتا ہے۔[۴] ورنہ چھوٹے موٹے عذر پر روزہ نہ توڑنا چاہیے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ جس نے بغیر کسی بیماری یا رخصت کے

(۱) جامع ترمذی: ابواب الصوم، باب فضل الصائم اذا أكل عنده، عن ابی لیلی رضی اللہ عنہ (۲) صحیح بخاری: کتاب الصوم، باب ۱۲۲۳ متى يقضى قضاء رمضان، عن عائشة رضی اللہ عنہا (۳) مؤطا امام مالک: کتاب الصوم، باب ۱۷ قضاء رمضان والكفارات (۴) البقرة: ۱۷۳ / المائدة: ۳

رمضان کے کسی دن کا روزہ نہ رکھا (یا رکھ کر توڑ دیا) تو اگر ساری عمر بھی روزے رکھے تو اس (فوت شدہ) روزے کے ثواب کو نہیں پا سکتا۔[1] نفلی روزہ اگر جان بوجھ کر توڑ ڈالا یعنی غروب آفتاب سے پہلے ہی کچھ کھا پی لیا تو صرف اسی ایک روزے کی قضاء میں ایک روزہ رکھا جائے گا۔[2] یعنی نفلی روزہ توڑنے کی صرف قضاء واجب ہے اور کفارہ کچھ نہیں۔ لیکن اگر رمضان کا فرض روزہ توڑا یعنی قبل از وقت ہی کچھ کھایا پیا یا بیوی سے مقاربت کی تو اس کے کفارے میں ایک غلام آزاد کیا جائے، یا دو مہینے (یعنی ساٹھ دن) کے لگاتار روزے رکھے جائیں (یعنی درمیان میں ایک دن بھی ناغہ نہ ہو ورنہ دوبارہ شروع کرنے پڑیں گے) یا پھر (ان ساٹھ روزوں کی جگہ) ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلایا جائے۔[3] اور اس ٹوٹے روزے کی قضاء بھی رکھے۔[4] احادیث میں اس کی تصریح نہیں کہ مسکینوں کو کتنے وقت کا کھانا کھلایا جائے۔ چونکہ ایک روزے کے بدلے فدیہ میں ایک مسکین کو کھانا کھلایا جاتا ہے[5] اس لیے ساٹھ روزوں کے بدلے ساٹھ مسکینوں کو ایک وقت کا کھانا کھلایا جائے۔ یہ کفارہ وقضاء جب ہے کہ روزے میں قصداً وہ فعل کیا جو کہ ممنوع تھا ورنہ اگر یہ کام سہواً ہوا ہو مثلاً ابر کی وجہ سے غروب آفتاب سے پہلے ہی روزہ افطار کر لیا تو صرف قضاء لازم آئے گی، کفارہ نہیں۔[6]

رمضان میں قیام اللیل (تراویح)

قیام اللیل کے معنی ہیں رات میں کھڑا ہونا۔ احادیث میں یہ اصطلاح رات میں تہجد کے نوافل ادا کرنے کے لیے استعمال ہوئی ہے۔ یہ نوافل فرض صلوٰۃ کے بعد سب سے افضل ہیں۔[7] اس وقت فرشتے حاضر ہوتے ہیں۔[8] یہ وقت دعا کی قبولیت کا ہوتا ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا کہ رات میں ایک ساعت ایسی ہوتی ہے کہ اس وقت مسلم بندہ اللہ سے جو خیر مانگتا ہے اللہ اسے عطا کرتا ہے۔[9] فرمایا کہ جب رات کا آخری پہر ہوتا ہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ

(۱) جامع ترمذی: ابواب الصوم، باب الافطار متعمدًا، عن ابی ہریرۃ ؓ (۲) ایضًا، باب ماجآء فی ایجاب القضاء علیہ، عن عائشۃ ؓ (۳) صحیح بخاری: کتاب الصوم، باب ۱۲۱۴ اذا جامع فی رمضان ...... عن ابی ہریرۃ ؓ (۴) مؤطاء امام مالک: کتاب الصوم، باب ۹ کفارۃ من افطر فی رمضان، عن سعید بن المسیب ؒ (۵) ایضًا، باب ۹ فدیۃ من افطر فی رمضان (۶) ایضًا باب قضاء رمضان والکفارات، عن عمر بن الخطاب ؓ (۷) جامع ترمذی: ابواب الصلوۃ، باب ماجآء فی فضل صلوٰۃ اللیل، عن ابی ہریرۃ ؓ (۸) صحیح مسلم: کتاب صلوۃ المسافرین و قصرھا، باب صلوٰۃ اللیل و عدد رکعات النبی ﷺ ...... عن جابر بن عبداللہ ؓ (۹) صحیح مسلم: کتاب صلوۃ المسافرین و قصرھا، باب صلوٰۃ اللیل و عدد رکعات النبی ﷺ ...... عن جابر بن عبداللہ ؓ

آسمانِ دنیا پر اترتا ہے اور فرماتا ہے کہ ہے کوئی مجھ سے سوال کرنے والا کہ میں اسے عطا کروں، ہے کوئی مجھ سے دعا کرنے والا کہ میں اس کی دعا قبول کروں، ہے کوئی مجھ سے مغفرت چاہنے والا کہ میں اسے بخش دوں۔ مالک صبح روشن ہونے تک ایسے ہی پکارتا رہتا ہے۔[1]

ایسی مبارک ساعت میں کہ جب فرشتے حاضر ہوں، اللہ رب العزت آسمانِ دنیا پر نزول فرما ہو، رحمت و مغفرت کی ندا لگ رہی ہو، اور لوگ خوابِ غفلت کے مزے لے رہے ہوں، تو بڑی سعادت کی بات ہے کہ کوئی مومن بندہ اللہ کے حضور کھڑا ہو اور اس کی کتاب مقدس کی تلاوت کر رہا ہو، اس کے آگے سر کو جھکا کر، پیشانی زمین پر رگڑ کر اپنے مالک کی حمد وثنا کر کے اظہارِ بندگی کر رہا ہو۔ اللّٰھم ارزقنا ھذہ السعادۃ العظیمۃ

اللہ نے اپنی کتاب میں عباد الرحمٰن کی یہ صفت بیان کی ہے کہ

وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا ۝ وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ ۖ اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا ۝ (الفرقان: ۶۴، ۶۵)

''ان کی راتیں اپنے رب کے سامنے قیام وسجود میں گزرتی ہیں، اور وہ دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہمیں عذابِ جہنم سے بچانا۔ بلاشبہ اس کا عذاب بڑا تکلیف دہ ہے۔''

تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا (السجدۃ: ۱۶)

''ان کے پہلو ان کے بستروں سے الگ رہتے ہیں اور وہ اپنے رب سے خوف و طمع کے ساتھ دعا کرتے ہیں۔''

كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ ۝ وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ۝ (الذٰریٰت: ۱۷، ۱۸)

''وہ راتوں کو تھوڑا ہی سوتے تھے اور سحر کے وقت اپنے گناہوں کی معافی چاہتے تھے۔''

نبی ﷺ نے قیام اللیل کی بہت زیادہ تاکید فرمائی ہے۔ متعدد احادیث میں آپ ﷺ کا قیام اللیل کے فضائل بیان کرنا روایت کیا گیا ہے۔ ایک روایت میں فرمایا کہ اللہ رحم کرے اس آدمی پر جو رات کو اٹھے اور صلوٰۃ ادا کرے اور اپنی عورت کو بھی اٹھائے۔ اگر وہ نہ اٹھے تو اس کے منہ پر پانی کے چھینٹے مارے۔ اللہ رحم کرے اس عورت پر جو رات کو اٹھے اور صلوٰۃ ادا

(۱) صحیح مسلم: کتاب صلوۃ المسافرین و قصرھا، باب صلوٰۃ اللیل و عدد رکعات النبی ﷺ ...... عن ابی ہریرۃ ؓ

کرے، اور اپنے خاوند کو اٹھائے۔ اگر وہ نہ اٹھے تو اس کے منہ پر پانی کے چھینٹے مارے۔[1] اس سے اگلی روایت میں ہے کہ ان دونوں مرد وزن کو ذاکرین اور ذاکرات میں لکھا جائے۔ ذاکرین اور ذاکرات کے لیے اللہ تعالیٰ نے اجرِ عظیم کا وعدہ کیا ہے:

وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا۝ (الاحزاب: ۳۵)

''..... کثرت سے ذکر کرنے والوں اور ذکر کرنے والیوں کے لیے اللہ نے مغفرت اور اجرِ عظیم تیار کر رکھا ہے۔''

عام دنوں میں جب قیام اللیل کی یہ فضیلت ہے تو رمضان میں اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اس کی کتنی فضیلت ہوگی جب ہر عمل کا اجر ستر گنا بڑھا دیا جاتا ہے۔ رمضان کی راتوں میں کھڑے ہو کر نوافل پڑھنے کو اصطلاحاً تراویح کہا جاتا ہے۔ احادیثِ صحاح میں اس صلوٰۃ کو یہ نام نہیں دیا گیا بلکہ قیامِ رمضان ہی کہا گیا ہے۔ اس صلوٰۃ کی بڑی فضیلت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ رمضان وہ مہینہ ہے کہ جس کے صوم کو اللہ نے تم پر فرض کیا ہے اور اس کے قیام کو میں نے تمہارے لیے سنت ٹھہرایا ہے۔ پس جو ایمان و احتساب کے ساتھ اس کا صوم رکھے اور قیام کرے تو وہ گناہوں سے ایسا نکل جائے گا جیسے اس دن تھا جب اس کی ماں نے اس کو جنم دیا تھا۔[2] خصوصی انداز میں اس کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ جس نے ایمان و احتساب کے ساتھ رمضان میں قیام کیا اس کے پچھلے گناہ معاف کر دیے گئے۔[3]

زید بن ثابت ؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے کھجور کے پتوں یا ٹاٹ کا ایک حجرہ بنایا اور اس میں کئی رات صلوٰۃ ادا کی، یہاں تک کہ آپ کے پیچھے بہت سے لوگ بھی پڑھنے لگے۔ ایک رات بہت لوگ آئے لیکن آپ ﷺ باہر نہیں نکلے۔ کوئی آواز نہ پا کر لوگ سمجھے کہ شاید آپ ﷺ سو گئے۔ بعض نے کھنکارا، آوازیں بلند کیں، اور دروازے پر کنکریاں ماریں تاکہ آپ ﷺ باہر نکلیں۔ پھر آپ ﷺ تشریف لائے اور فرمایا کہ میں نے وہ چیز جو تمہارے ساتھ رہی ہے دیکھی ہے (یعنی شوقِ صلوٰۃ) اور ڈرا کہ یہ صلوٰۃ بھی تم پر کہیں

(۱) سنن ابی داؤد: کتاب الصلوٰۃ، باب ۴۵۹ قیام اللیل، عن ابی هریرة ؓ (۲) سنن ابن ماجة: کتاب اقامة الصلوٰة والسنة فیها، باب ۱۷۳ ماجآء فی قیام شهر رمضان، عن ابی سلمة بن عبدالرحمن ؒ (۳) صحیح بخاری: کتاب الایمان، باب ۲۸ تطوع قیام رمضان من الایمان/ کتاب الصوم، باب ۱۲۵۳ فضل من قام رمضان، عن ابی هریرة ؓ

فرض نہ کر دی جائے۔ اور اگر فرض ہو جاتی تو تم اس کو ادا نہ کر پاتے۔ پس تم اپنے گھروں میں اس صلوٰۃ کو ادا کرو۔ آدمی کی بہترین صلوٰۃ اس کے گھر کی ہے سوائے فرض صلوٰۃ کے۔[1] یہ واقعہ رمضان میں پیش آیا۔[2] ایک دوسری روایت میں ہے کہ رمضان میں آپ ﷺ نے کسی رات ہمارے ساتھ (باجماعت) قیام نہیں کیا مگر جب آخری سات راتیں رہ گئیں۔ تیئسویں شب کو آپ ﷺ نے تہائی رات تک قیام کیا۔ پچیسویں کو نصف شب تک قیام کیا۔ صحابہ ؓ نے اور زیادہ کی تمنا کی تو فرمایا کہ امام کے ساتھ قیام سے فارغ ہونے پر ساری رات قیام کا ثواب ملتا ہے۔ ستائیسویں شب کو آپ ﷺ نے اپنے گھر والوں کو اور مردوں و عورتوں کو جمع کیا اور اتنی دیر تک قیام کیا (یعنی اتنے زیادہ نفل پڑھائے) کہ صحابہ ؓ کو اندیشہ ہوا کہ سحری کھانے کا وقت نہیں بچے گا۔ پھر باقی مہینے آپ ﷺ نے (باجماعت) قیام نہیں کیا۔[3]

ابو ہریرہ ؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ بغیر اس بات کے کہ عزیمت کے ساتھ (تاکیدی) حکم کریں، قیامِ رمضان کی ترغیب دیتے تھے اور فرماتے تھے کہ جس نے ایمان و احتساب کے ساتھ قیامِ رمضان کیا تو اس کے پچھلے گناہ معاف کر دیے گئے۔ پھر رسول اللہ ﷺ فوت ہو گئے اور اسی طرح ہوتا رہا۔ ابو بکر ؓ کے دورِ خلافت میں بھی ایسا ہی رہا اور عمر ؓ کی خلافت کے شروع دور میں بھی یہی طریقہ رہا (یعنی جس کا جتنا جی چاہا قیامِ رمضان کیا)۔[4]

عبدالرحمٰن بن عبدالقاری ؒ روایت کرتے ہیں کہ وہ ایک دفعہ عمر ؓ کے ساتھ رمضان کی رات میں مسجد گئے تو دیکھا کہ لوگ متفرق ہو کر صلوٰۃ ادا کر رہے تھے۔ کہیں کوئی اکیلا ہی پڑھ رہا تھا اور کہیں کسی کے پیچھے جماعت تھی۔ عمر ؓ نے کہا، ''میں سمجھتا ہوں کہ اگر میں ان سب کو ایک ہی قاری کے پیچھے اکٹھا کر دوں تو اچھا رہے گا۔'' پھر انہوں نے اس کا عزم کر لیا اور ان سب کو ابی بن کعب ؓ کے پیچھے جمع کر دیا۔ عبدالرحمٰن ؒ کہتے ہیں کہ اس کے بعد میں ایک رات جو ان کے ساتھ گیا تو دیکھا کہ سب اپنے قاری کے پیچھے صلوٰۃ ادا

(۱) صحیح مسلم: کتاب صلوٰۃ المسافرین و قصرها، باب استحباب صلوٰۃ النافلة فی بیته، عن زیدبن ثابت ؓ (۲) سنن ابی داؤد: کتاب الصلوٰۃ، باب ۴۷۱ فی قیام شهر رمضان، عن ابی ذر ؓ (۳) صحیح بخاری: کتاب الصوم، باب ۱۲۵۳ فضل من قام رمضان، عن عائشة ؓ /سنن ابی داؤد: کتاب الصلوٰۃ، باب ۴۷۱ فی قیام شهر رمضان، عن ابی ذر ؓ (۴) صحیح مسلم: کتاب صلوٰۃ المسافرین و قصرها، باب الترغیب فی قیام رمضان و هوالتراویح، عن ابی هریرة ؓ

کر رہے تھے۔عمر ؓ نے کہا کہ یہ نِعْمَ الْبِدْعَةُ (اچھی ابتداء) ہوئی۔رات کا وہ حصہ جس میں تم سوتے رہتے ہو وہ اس سے افضل ہے، جس میں تم قیام کرتے ہو۔وہ چاہتے تھے کہ رات کے آخری حصے میں قیام ہو لیکن لوگ اس کے اوّل حصے میں ہی قیام کر لیتے تھے۔(۱)

حدیث کے الفاظ بتا رہے ہیں کہ عمر ؓ مسجد میں جماعت کے ساتھ اوّل شب میں تراویح نہیں پڑھتے تھے بلکہ آخرِ شب میں گھر میں قیام اللیل فرماتے تھے کیونکہ اگر وہ مسجد میں باجماعت تراویح پڑھتے ہوتے تو ابی بن کعب ؓ کے پیچھے ہی کھڑے ہوتے اور باہر سے آ کر انہیں تراویح میں مشغول نہ دیکھتے۔دوسری بات یہ کہ عمر ؓ نے آخری شب کے قیام کو اوّل شب کے قیام سے افضل قرار دیا۔انہوں نے قیامِ رمضان کی جماعت کو نِعْمَ الْبِدْعَةَ اس لیے کہا کہ پہلی والی صورت یعنی متفرق ٹکڑیوں میں صلوٰۃ ادا کرنا موقوف ہوگئی اور ایک امام کے پیچھے سب کا جمع ہونا شروع ہوگیا جو متروک ہوگیا تھا، اور وہ لوگ جو صلوٰۃ العشاء کے بعد گھر جا کر سو جاتے تھے وہ بھی قیام اللیل کی سعادت میں شریک ہونے لگے۔نِعْمَ الْبِدْعَةَ سے ''بدعتِ حسنہ'' یا ''اچھی نئی بات'' کے معنی لینا درست نہیں کیونکہ قیامِ رمضان کی جماعت ایک امام کے پیچھے خود نبی ﷺ سے بھی تین رات کرانا ثابت ہے جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے۔عمر ؓ کا فعل ''بدعت'' نہ تھا بلکہ یہ عین اطاعتِ رسول ﷺ تھا اور سنتِ رسول ﷺ کا اجراء و احیاء تھا۔اس سنت یعنی قیام باالجماعت کو خود نبی ﷺ نے ہی اس خوف کے سبب موقوف کر دیا تھا کہ کہیں یہ لوگوں کے شوق کے سبب فرض نہ ہو جائے، اور اسے گھروں میں ادا کرنے کا حکم دیا تھا۔ابوبکر ؓ کے دو سالہ مختصر دورِ خلافت میں اسی طرح ہوتا رہا۔اب جب کہ شریعت مکمل ہو چکی تھی اور کوئی چیز اب نہ فرض ہو سکتی تھی نہ منسوخ، کیونکہ نبی ﷺ موجود نہ تھے جن کے ذریعے ہی کسی حکمِ شریعت کا نفاذ ہوتا تھا، اس لیے عمر ؓ نے لوگوں کے اشتیاق اور متفرق عمل کو دیکھتے ہوئے اتفاق پیدا کرنے کے لیے نبی ﷺ کی موقوف شدہ باجماعت قیام اللیل کی سنت کو دوبارہ جاری کر دیا۔انہوں نے اس طرح کر کے دین میں ہرگز کوئی نیا طریقہ جاری نہیں کیا۔اور وہ ایسا کر بھی کیسے سکتے تھے کہ وہ نبی ﷺ کے تربیت یافتہ تھے اور دین میں نئے طریقے ایجاد کرنے کی شناعت و خرابی، سنگینی و سزا بار ہا زبانِ نبوت سے سن چکے تھے۔اور

(۱) صحیح بخاری: کتاب الصوم، باب ۱۲۵۳ فضل من قام رمضان، عن ابی ہریرۃ ؓ

دین میں ان کے بڑھے ہوئے علم و فہم کی تو خود نبی ﷺ نے بھی گواہی دی۔(۱) اور بفرضِ محال وہ ایسا کرتے بھی تو دیگر عالم و فقیہ صحابہ ؓ کب انہیں ایسا کرنے دیتے۔

صحیح مسلم میں زید بن ثابت اور صحیح بخاری میں عمر ؓ کی مذکورہ بالا روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ تراویح کی صلوٰۃ اپنے گھر میں پڑھنے کی زیادہ فضیلت ہے۔اگر صحیح العقیدہ، پابندِ سنت حافظ و قاری میسر آ جائے تو مسجد میں جماعت سے بھی پڑھنا چاہیے کہ اس میں جماعت کی منفعت بھی حاصل ہو جائے گی۔مروجہ مسالک کے بدعقیدہ اور اجرت کے طالب حفاظ کے پیچھے تراویح پڑھنا صحیح العقیدہ مومنین کو زیبا نہیں۔جس شخص پر کفریہ شرکیہ عقائد رکھنے کی وجہ سے نماز فرض ہی نہیں تو پھر اس کے پیچھے صحیح العقیدہ مومنین کیسے تراویح پڑھ سکتے ہیں۔اس پر مستزاد اجرت کا لینا بھی ہے جو از روئے قرآن و حدیث سراسر ناجائز و حرام ہے۔

تراویح کی تعداد

تراویح نفل ہے اور نفلوں کی تعداد مقرر کرنا صحیح نہیں جب کہ نبی ﷺ نے تعین نہ فرمایا ہو۔اپنی سہولت، رغبت و شوق کے مطابق جتنے چاہیں نوافل ادا کیے جائیں۔نبی ﷺ نے تراویح کی کوئی تعداد مقرر نہیں کی۔تراویح بھی قیام اللیل ہی ہے، اس لیے اس کی رکعتیں بھی صلوٰۃ اللیل کے مطابق ادا کریں، اور ان کی تعداد مختلف روایات میں مختلف آئی ہے۔

عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا کہ رمضان میں رسول اللہ ﷺ (رات میں) کتنی رکعتیں پڑھتے تھے۔فرمایا کہ آپ ﷺ رمضان غیر رمضان میں گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے۔پہلے چار رکعتیں پڑھتے تھے۔ان کی خوبی اور طول کا کیا پوچھنا۔پھر چار پڑھتے اور ان کی خوبی اور درازی کا کیا کہنا۔پھر تین رکعتیں پڑھتے تھے۔(۲)

مذکورہ بالا حدیثِ عائشہ سے آٹھ تراویح اور تین وتر کا ثبوت ملتا ہے۔اُن ہی سے دوسری روایات میں یہ تعداد کم یا زیادہ بھی منقول ہے۔مسروق رحمہ اللہ تابعی نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے نبی ﷺ کی صلوٰۃ اللیل کے متعلق پوچھا تو آپ نے بتایا کہ فجر کی دو رکعتوں کے علاوہ کبھی سات، کبھی نو اور کبھی گیارہ۔(۳) قاسم بن محمد رحمہ اللہ کو آپ نے بتایا کہ نبی ﷺ کی رات کی

(۱) صحیح بخاری: کتاب المناقب، باب مناقب عمر ؓ، حدیث ۷۷۸، ۷۸۸ (۲) صحیح بخاری: کتاب الصوم، باب ۱۲۵۳ فضل من قام رمضان (۳) صحیح بخاری: کتاب التهجد، باب ۷۲۴ کیف الصلوٰة اللیل......

صلوٰۃ دس رکعت تھی، ایک رکعت وتر کی اور دو رکعتیں فجر کی۔ یہ سب تیرہ رکعتیں ہوئیں۔[1]

مختلف مسالک سے وابستہ لوگ کہہ دیا کرتے ہیں کہ یہ تو تہجد کی نماز کا ذکر ہے اور تراویح علیحدہ چیز ہے۔ جیسا کہ پہلے بتایا گیا، تراویح اور تہجد دونوں قیام اللیل ہیں اور رمضان و غیر رمضان میں نبی ﷺ کا یکساں معمول تھا، جیسا کہ اوپر حدیثِ عائشہ میں بیان ہوا۔

یزید بن رومان ؒ سے روایت ہے کہ عمر ؓ کے زمانے میں رمضان میں لوگ تئیس رکعتیں پڑھتے تھے۔[2] سائب بن یزید ؒ سے روایت ہے کہ عمر ؓ نے ابی بن کعب اور تمیم داری ؓ کو گیارہ رکعتیں پڑھانے کو کہا۔ امام ایک رکعت میں سو سو آیتیں پڑھتا، یہاں تک کہ ہم لکڑی پر سہارا لگاتے، اور ہم فجر کے قریب ہی فارغ ہوتے تھے۔[3] عبداللہ بن ابی بکر ؓ کہتے ہیں کہ ان کے والد بتاتے تھے کہ ہم تراویح سے فارغ ہونے کے بعد فجر ہونے کے ڈر سے کھانے کے لیے خادموں سے جلدی کرتے۔[4] اعرج کہتے ہیں کہ رمضان میں قاری سورۃ البقرۃ آٹھ رکعتوں میں پڑھتا تھا۔ جب بارہ میں پڑھتا تو لوگوں کو معلوم ہوجاتا کہ اس نے تخفیف کی (کیونکہ اس طرح قیام چھوٹے ہوجاتے تھے)۔[5] قیام اللیل میں طویل قیام کو نبی ﷺ نے قولاً وفعلاً بہت ہی پسندیدہ قرار دیا ہے اور درج بالا احادیث سے ثابت ہے کہ صحابہ کرام ؓ اس سنت رسول کی پوری طرح اتباع کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اُن کے نقشِ قدم کی پیروی کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

الغرض، مندرجہ بالا احادیث سے رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام ؓ سے قیام رمضان میں رکعتوں کی مختلف تعداد ثابت ہوتی ہے۔ لہٰذا تراویح کی کوئی تعداد مقرر نہیں کرنی چاہیے بلکہ آٹھ، دس، بارہ، بیس یا زیادہ، جتنی ہمت اور شوق اجازت دے پڑھ لینی چاہئیں۔ مسجد میں باجماعت تراویح پڑھنے کے بعد رات کو گھر میں انفرادی قیام اللیل کا موقع بھی ضائع نہ کریں کہ یہ زیادہ افضل ہے جیسے پیچھے عمر ؓ کا قول نقل کیا گیا۔

بعض لوگ آٹھ رکعتیں پڑھنے کو خواہشِ نفس کہتے ہیں اور انہیں تہجد کی نماز کہہ کر تراویح سے جدا کردیتے ہیں، جبکہ دوسرے لوگ انہی آٹھ کو تراویح کی مسنون تعداد کہتے ہے اور اس

(۱) صحیح بخاری: کتاب التہجد، باب ۲۴۔ کیف الصلوۃ اللیل......

/صحیح مسلم: کتاب صلوٰۃ المسافرین و قصرھا، باب صلوٰۃ اللیل و عدد رکعات النبی ﷺ......

(۲) مؤطا امام مالک: کتاب الصلوۃ، باب قیام رمضان (۳) ایضا (۴) ایضا (۵) ایضا

سے زیادہ کے انکاری ہیں۔ یہ دونوں قسم کے لوگ افراط وتفریط اور مسلکی تشدد کا شکار ہیں۔ جیسا کہ پہلے بتایا گیا، تراویح اور تہجد دونوں ایک ہی صلوٰۃ ہیں جن کے لیے احادیث میں ''قیام اللیل'' کا لفظ آیا ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ تراویح کو لوگ عشاء کے ساتھ ہی اوّل شب میں ادا کر لیتے ہیں (جسے عمر ؓ آخرِ شب میں ادا کرانا چاہتے تھے) اور تہجد کو آخرِ شب میں۔ اب جیسا جس کا ذوق اور ہمت و وسعت ہو سو اسی قدر وہ رمضان میں قیام اللیل کرے۔ غرضیکہ نہ تو آٹھ رکعتیں پڑھنا خواہشِ نفس ہے اور نہ آٹھ سے زیادہ پڑھنا خلافِ سنت۔ ہر دو عمل سنت ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ عمل اتنا کرو جتنے کی طاقت ہو۔[1] نیز فرمایا کہ تم میں سے ہر ایک اپنی خوشی کے موافق صلوٰۃ ادا کرے۔ پھر جب سست ہوجائے یا تھک رہے تو چاہیے کہ بیٹھ رہے۔[2]

تسبیح تراویح

احادیثِ صحاح میں ایسی کوئی روایت نہیں ملتی جس سے نبی ﷺ کا تراویح کے نوافل کے وقفے میں مخصوص الفاظ کے ساتھ ذکر ثابت ہو۔ تاہم صحیحین کی کتاب الطہارہ میں عائشہ ؓ روایت کرتی ہیں کہ نبی ﷺ ہر وقت اللہ کا ذکر فرمایا کرتے تھے۔ اس لیے نبی ﷺ اس وقفے میں بھی کوئی نہ کوئی ذکر ضرور فرماتے ہوں گے۔ بخاری اور ترمذی کی کتاب الدعوات و استعاذہ میں بہت سے اذکارِ مسنونہ روایت کیے گئے ہیں مثلاً سُبْحَانَ اللهِ ، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ، اَللّٰهُ اَكْبَرُ، لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ، اَللّٰهُ اَللّٰهُ رَبِّیْ لَا اُشْرِكُ بِهٖ شَيْئًا ، سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ ، سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ عَدَدَ خَلْقِهٖ وَرِضٰى نَفْسِهٖ وَزِنَةَ عَرْشِهٖ وَمِدَادَ كَلِمٰتِهٖ، لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ يُحْيِيْ وَيُمِيْتُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ، وغیرہ، لیکن اس موقع کا کوئی مخصوص ذکر منقول نہیں۔ اس لیے اس وقفے میں کوئی بھی ذکر کرلیا جائے۔ اس موقع کے لیے ''تسبیح تراویح'' کے نام سے جو ذکر بتایا جاتا ہے اور زمانہ رمضان میں جس کی تشہیر بھی کی جاتی ہے یعنی:

(۱) صحیح بخاری: کتاب التہجد، باب ۳۲۔ مایکرہ من التشدید فی العبادۃ، عن عائشہ ؓ (۲) صحیح مسلم: کتاب صلوٰۃ المسافرین و قصرھا، باب فضیلۃ العمل الدائم، عن انس بن مالک ؓ

سُبۡحَانَ ذِی الۡمُلۡکِ وَالۡمَلَکُوۡتِ سُبۡحَانَ ذِی الۡعِزَّۃِ وَالۡعَظۡمَۃِ وَالۡهَیۡبَۃِ وَالۡقُدۡرَۃِ وَالۡکِبۡرِیَآءِ وَالۡجَبَرُوۡتِ سُبۡحَانَ الۡمَلِکِ الۡحَیِّ الَّذِیۡ لَا یَنَامُ وَلَا یَمُوۡتُ سُبُّوۡحٌ قُدُّوۡسٌ رَبُّنَا وَ رَبُّ الۡمَلٰٓئِکَۃِ وَالرُّوۡحِ اَللّٰهُمَّ اَجِرۡنَا مِنَ النَّارِ یَا مُجِیۡرُ یَامُجِیۡرُ یَامُجِیۡرُ

تو جاننا چاہیے کہ صحیح احادیث میں اس کا کوئی ذکر نہیں ملتا۔ صاحبِ مشکوٰۃ نے تیسرے اور چوتھے درجہ کی کتبِ احادیث کی روایتیں بھی اپنی کتاب میں نقل کی ہیں، لیکن انہوں نے بھی اس کو نقل نہیں کیا۔ لہٰذا یہ ذکر مسنون نہیں۔ معنی اس ذکر کے بہت اچھے ہیں لیکن اسے سنت جان کر لازم کر لینا اور نہ پڑھنے کو برا جاننا درست نہیں۔

تراویح سے متعلق غلط باتیں

لوگوں میں ختمِ قرآن یعنی ماہِ رمضان میں پورا قرآن سننے سے متعلق کچھ غلط فہمی بھی پائی جاتی ہے۔ یہ لوگ اسے لازم سمجھ لیتے ہیں۔ اسی غلط تصور کے تحت تاجر پیشہ اور سہل پسند لوگ جو پورے مہینے قیام اللیل کی مشقت برداشت نہیں کر سکتے، کسی حافظ کے پیچھے تین چار دن میں قرآن پورا کر کے باقی مہینے کے لیے ''فارغ'' ہو جاتے ہیں۔ اس طرح تین چار دن میں قرآن ختم کرانے کو ''شبینہ'' کا نام دیا جاتا ہے جس کی خوب تشہیر بھی کی جاتی ہے کہ حافظِ فلاں، خلفِ فلاں، شاگردِ فلاں، اتنے وقت میں فلاں جگہ شبینہ پڑھائیں گے...... اور اس شبینہ میں ہوتا کیا ہے؟ حافظ صاحب طوفانی رفتار سے ایک ایک رکعت میں آدھا آدھا پارہ پڑھ جاتے ہیں جس میں عام لوگوں کا تو کہنا ہی کیا، خود سامع حافظ کو بھی نہیں پتہ چل پاتا کہ موصوف نے کیا پڑھا! یہ جناب قرآن کی یہ آیت بھی پڑھتے ہیں اور سامعین اس کو سنتے ہیں کہ:

وَرَتِّلِ الۡقُرۡاٰنَ تَرۡتِیۡلًا ؕ (المزمل:۴)

''اور قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھو۔''

لیکن افسوس کہ نہ پڑھنے والے کو اس کے معنی معلوم اور نہ سننے والے کو! یا اگر جانتے ہیں تو انہیں نہ تو اس کی اہمیت کا کوئی احساس ہے اور نہ قرآن کی عظمت کا ورنہ اس طرح حکمِ ربانی کی بے حرمتی نہ کی جاتی! لوگ محض ایک ذمہ داری بھگتانے یا بوجھ اتارنے کے خیال ہی سے جبراً کھڑے رہتے ہیں۔ بہت سے تو بیٹھے رہتے ہیں کہ رکوع میں شامل ہو جائیں گے۔ بعض

جگہ تو ایک دو رات میں بھی قرآن ختم کیا جاتا ہے جس میں حافظ موصوف کی رفتار اور بھی زیادہ ہوتی ہے۔ حالانکہ نبی ﷺ نے تو بہت زیادہ قرآن پڑھنے والے صحابی عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما کو بھی تین دن سے کم میں قرآن ختم کرنے کی اجازت نہیں دی۔[1] نبی ﷺ ہر رات میں جبریل علیہ السلام کو قرآن سناتے تھے۔[2] احادیثِ صحاح میں اس کا کوئی ذکر نہیں کہ جن تین دنوں میں آپ ﷺ نے تراویح پڑھائی آپ ﷺ نے مکمل قرآن ختم کیا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم بھی قرآن پڑھاتے تھے، اگرچہ ان احادیث میں ان سے بھی ختمِ قرآن کا کوئی ذکر نہیں ملتا، تاہم یہ امر مستحب ہے کہ پورے رمضان میں قرآن ختم کر لیا جائے۔ جسے مکمل یاد ہو وہ تو انفرادی و اجتماعی دونوں قیام اللیل کرے، اور جسے یاد نہ ہو تو وہ اس حافظ کے پیچھے کھڑے ہو کر سن لے اور جتنا قرآن یاد ہو تو وہ انفرادی قیام اللیل میں پڑھے۔ یہ عمل روزانہ کا ہے، پورے مہینے کرنا ہے۔ صرف ایک دو دن میں ختم کر کے جان چھڑانے والی بات تو قرآنِ کریم کے ساتھ صریح مذاق ہے! العیاذ باللہ!

یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ حفاظ لوگ بیس پچیس دن تراویح پڑھا کر ختمِ قرآن کی تقریب میں بوتلوں میں پانی پر پھونکیں مار کر (جبکہ کھانے پینے کی چیزوں پر پھونک مارنا تو ممنوع ہے)، ہار پھول پہن کر پیسے جوڑے لے لیتے ہیں اور اگلی رات سے وہ یا ان کی جگہ کوئی اور صاحب اَلَمۡ تَرَ کَیۡفَ سے تراویح پڑھاتے ہیں یعنی قرآن کی آخری دس مختصر سورتوں کے ساتھ چھوٹے چھوٹے قیام کر کے خانہ پری کی جاتی ہے حالانکہ سورتوں کی کوئی قید نہیں ہے۔ اللہ کی اجازت ہے کہ

فَاقۡرَءُوۡا مَا تَیَسَّرَ مِنَ الۡقُرۡاٰنِ ؕ (المزمل:۲۰)

''قرآن میں سے جو تم آسانی سے پڑھ سکو پڑھ لو۔''

نبی ﷺ نے اماموں کو فرض صلوٰۃ میں تخفیف یعنی ہلکی نماز پڑھانے کا حکم دیا،[3] لیکن باقی کے لیے بتایا کہ افضل نماز وہ ہے جس میں طویل قیام ہو۔[4]

(۱) صحیح بخاری: کتاب الصوم، باب ۱۲۴۱ صوم یوم و افطار یوم، عن عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما (۲) صحیح بخاری: کتاب الصوم، باب ۱۱۹۱ اجود ما کان النبی ﷺ یکون فی رمضان، عن عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما (۳) صحیح بخاری: کتاب الاذان، باب ۴۵۱ تخفیف الامام فی القیام ...... عن ابی مسعود انصاری رضی اللہ عنہ (۴) صحیح مسلم: کتاب صلوٰۃ المسافرین وقصرها، باب صلوٰۃ اللیل و عدد رکعات النبی ﷺ ...... عن جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما

شبِ قدر

شبِ قدر سے متعلق اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں ''القدر'' کے عنوان سے ایک مکمل سورہ نازل کی ہے جس میں مالک ارشاد فرماتا ہے:

إِنَّآ أَنزَلْنَٰهُ فِى لَيْلَةِ ٱلْقَدْرِ ۝ وَمَآ أَدْرَىٰكَ مَا لَيْلَةُ ٱلْقَدْرِ ۝ لَيْلَةُ ٱلْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ ۝ تَنَزَّلُ ٱلْمَلَٰٓئِكَةُ وَٱلرُّوحُ فِيهَا بِإِذْنِ رَبِّهِم مِّن كُلِّ أَمْرٍ ۝ سَلَٰمٌ هِىَ حَتَّىٰ مَطْلَعِ ٱلْفَجْرِ ۝

''ہم نے اس (قرآن) کو شبِ قدر میں نازل کیا۔ اور (اے نبی ﷺ!) آپ کیا جانیں کہ شبِ قدر کیا ہے۔ شبِ قدر ہزار مہینوں سے افضل ہے جس میں فرشتے اور روح القدس (جبرئیل علیہ السلام) اپنے رب کے حکم سے ہر امر کے ساتھ اترتے ہیں۔ یہ (رات) طلوعِ فجر تک (سراپا) سلامتی ہے۔''

اگر ہر مہینے کی تیس راتیں فرض کی جائیں تو ہزار مہینے کی تیس ہزار راتیں ہوئیں، اور تراسی سال چار مہینے ہوئے۔ اس طرح اس ایک رات کی عبادت تیس ہزار راتوں یا تراسی سال چار مہینوں کی عبادت سے افضل ہوئی۔ اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ وہ رات کس قدر مبارک ہوگی جو تیس ہزار راتوں یا تراسی سال چار مہینوں سے افضل ہو۔ اس رات کو اللہ نے لیلۃ القدر کے ساتھ لیلہ مبارکہ بھی کہا ہے:

حٰمٓ ۝ وَٱلْكِتَٰبِ ٱلْمُبِينِ ۝ إِنَّآ أَنزَلْنَٰهُ فِى لَيْلَةٍ مُّبَٰرَكَةٍ ۚ إِنَّا كُنَّا مُنذِرِينَ ۝ فِيهَا يُفْرَقُ كُلُّ أَمْرٍ حَكِيمٍ ۝ أَمْرًا مِّنْ عِندِنَآ ۚ إِنَّا كُنَّا مُرْسِلِينَ ۝ رَحْمَةً مِّن رَّبِّكَ ۚ إِنَّهُۥ هُوَ ٱلسَّمِيعُ ٱلْعَلِيمُ ۝ (الدخان: ۱ تا ۶)

''حٰم۔ اس کتابِ روشن کی قسم کہ ہم نے اس کو ایک مبارک رات میں نازل فرمایا۔ ہم تو (بری روش کے انجام سے) ڈرانے والے ہیں۔ اسی رات میں ہمارے یہاں سے ہر معاملے کا حکیمانہ فیصلہ صادر کیا جاتا ہے، بیشک ہم ہی رسول بھیجنے والے تھے۔ (یہ) تمہارے رب کی رحمت ہے۔ وہ تو سننے والا جاننے والا ہے۔''

پیچھے بتایا جا چکا ہے کہ قرآن رمضان میں نازل ہوا، اس لیے لیلۃ القدر اور لیلہ مبارکہ دونوں رمضان کی ایک ہی رات کے نام ہیں۔ احادیث میں وضاحت کی گئی ہے کہ رمضان کے آخری عشرے کی طاق راتوں میں سے ایک رات لیلۃ القدر ہے، لہٰذا شعبان کی پندرھویں شب کو لیلہ مبارکہ کہنا قرآن و حدیث کے خلاف ہے۔

لیلۃ القدر کی فضیلت میں حدیث میں آتا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جس نے ایمان و احتساب کے ساتھ لیلۃ القدر میں قیام کیا، اس کے پچھلے تمام گناہ معاف کر دیے گئے۔[١] یہ مبارک شبِ رمضان کی راتوں میں سے ایک رات ہوتی ہے۔ نبی ﷺ کو اس رات کی جستجو رہتی جس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ پہلے آپ ﷺ اس رات کے لیے ہر سال رمضان کے درمیانی دس دنوں کا اعتکاف فرماتے، یعنی تمام مصروفیات و مشاغل سے کنارہ کش ہو کر یکسوئی کے ساتھ اسی ایک کام کے لیے مسجد میں محصور ہو جاتے۔ ایک دفعہ بیسویں تاریخ کو آپ ﷺ نے خطبہ ارشاد فرمایا کہ یہ رات مجھے دکھلا دی گئی تھی، لیکن پھر بھلا دی گئی۔ پس تم اس کے لیے رمضان کے آخری عشرے کی طاق راتوں میں جستجو کرو۔[٢] اس کے بعد پھر آپ ﷺ اس رات کے لیے رمضان کے آخری عشرے کا اعتکاف فرماتے۔[٣] اور جب یہ عشرہ آتا تو آپ ﷺ عبادت میں شدت اختیار کرتے، اپنی کمر کس لیتے، خود بھی راتوں کو جاگتے اور اپنے گھر والوں کو بھی جگاتے۔[٤] صحیح بخاری کی دوسری روایات میں نبی ﷺ سے پچیسویں، ستائیسویں اور انتیسویں شب کے متعلق احادیث نقل کی گئی ہیں۔ اسی طرح سننِ اربع اور صحیح مسلم کی روایات میں ان راتوں اور اکیسویں شب کے متعلق بھی احادیثِ رسول و آثارِ صحابہ نقل کیے گئے ہیں۔ تاہم نبی ﷺ کے آخری عشرے میں عبادت میں زیادتی و محنت اور پورے عشرے کے اعتکاف کو نظر میں رکھتے ہوئے پورے عشرے کی دس راتوں اور خاص کر طاق راتوں میں خوب عبادت کی جانی چاہیے اور کسی ایک رات کو عبادت کے لیے مخصوص نہ کیا جائے کہ یہی سنتِ رسول ﷺ ہے۔

شبِ قدر کی تلاش کے یہی معنی ہیں کہ رات کو اللہ کے حضور قیام و قعود، رکوع و سجود، تلاوت و ذکر میں گزار کر ہزار مہینوں کی عبادت سے زیادہ کا ثواب حاصل کیا جائے ورنہ یہ بات بالکل بے اصل ہے کہ شبِ قدر میں نبی ﷺ براق پر سوار ہو کر آسمان پر جاتے ہیں جس سے ایک روشنی پیدا ہوتی ہے اور جو اس روشنی کو دیکھ لیتا ہے وہ اس رات کو پا لیتا ہے۔ نبی ﷺ جنت الفردوس کے اعلیٰ مقام ''الوسیلہ'' میں ہیں۔ نہ وہ یہاں دنیا میں آتے ہیں نہ یہاں سے آسمانوں پر جاتے ہیں۔ یہ سب جھوٹی باتیں پھیلا دی گئی ہیں۔ یہ رات بندوں کی اپنے رب سے قربت اور دعاؤں کی قبولیت

---

(١) صحیح بخاری: کتاب الصوم، باب ١٢٥٣ فضل لیلة القدر...... عن ابی هریرة رضی اللہ عنہ (٢) ایضا، باب ١٢٥٦ تحری لیلة القدر فی الوتر من العشر الاواخر...... عن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ (٣) ایضا، عن عائشة رضی اللہ عنہا (٤) ایضا، باب ١٢٥٧ العمل فی العشر الاواخر من رمضان، عن عائشة رضی اللہ عنہا

کی رات ہے، اس سے پورا پورا فائدہ اٹھایا جائے۔ عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا کہ یارسول اللہ! اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ یہ شبِ قدر ہے تو میں کیا دعا کروں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ دعا کرنا:

اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفُوَ فَاعْفُ عَنِّیْ

''اے اللہ! تو معاف کرنے والا ہے اور معاف کرنے کو پسند کرتا ہے، پس تو مجھے بھی معاف کر دے۔'' (۱)

نبی ﷺ نے صرف اتنی ہی دعا بتائی، اس میں تین مرتبہ ''یاغفور'' کا اضافہ بعد کی ایجاد ہے۔ اسی طرح آپ ﷺ نے شبِ قدر میں مخصوص سورتوں کے ساتھ نوافل ادا کرنے کا کوئی مخصوص طریقہ تعلیم نہیں فرمایا بلکہ مَنْ قَامَ (جس نے قیام کیا) کہہ کر اس کو عام رکھا ہے کہ ہر کوئی جس طرح چاہے نوافل پڑھے۔ اس رات میں مخصوص سورتوں اور کلمات کے ساتھ مخصوص انداز و تعداد میں نوافل ادا کرنے کی روایتیں، جن میں بے انتہا فضائل بیان کیے جاتے ہیں، بشمول صلوٰۃ التسبیح، صوفیوں کی ایجادیں ہیں۔ احادیثِ صحیحہ و آثارِ صحابہ میں ان کا کوئی ثبوت نہیں۔

اعتکاف

اعتکاف کے لفظی معنی ہیں ٹھہرنا، رکنا، قیام کرنا۔ اصطلاحاً مسجد میں عبادت کی غرض سے ٹھہر جانے کو اعتکاف کہتے ہیں۔ رمضان کی عبادتوں میں سے ایک عبادت اعتکاف بھی ہے۔ نبی ﷺ ہر سال رمضان کے آخری عشرے کا اعتکاف فرماتے تھے۔(۲) ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی ﷺ رمضان کے آخری عشرہ میں برابر اعتکاف فرماتے رہے یہاں تک کہ آپ ﷺ کی وفات ہو گئی، پھر آپ ﷺ کی ازواج نے اعتکاف کیا۔(۳) اس وقت کو آپ ﷺ زیادہ سے زیادہ عبادت میں گزارتے۔ راتوں کو جاگتے تھے۔(۴) اس عشرے میں آپ ﷺ عبادت میں اتنی محنت کرتے تھے جو اور دنوں میں نہ کرتے۔(۵) اعتکاف کی جہاں یہ فضیلت ہے کہ بندہ تمام مصروفیات سے کنارہ کش ہو کر اپنے رب کی عبادت کے لیے یکسو ہو جاتا ہے، وہیں وہ بہت سی معصیتوں سے بھی بچا رہتا ہے۔ اعتکاف مسجد میں ہوتا ہے۔(۶) اعتکاف کے لیے کپڑے وغیرہ کے خیمے لگائے جانے چاہئیں(۷) جس میں بستر بھی بچھایا جا سکتا ہے۔(۸) صحاح کی بعض روایات میں یہ بھی آتا ہے کہ نبی ﷺ صلوٰۃ الفجر کے بعد اپنے

(۱) جامع ترمذی: ابواب الدعوات (۲) صحیح بخاری: کتاب الصوم، ابواب الاعتکاف، باب اوّل، عن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما (۳) ایضاً (۴) ایضاً، کتاب الصوم، باب ۱۲۵۷ العمل فی العشر الاواخر من رمضان، عن عائشۃ رضی اللہ عنہا (۵) صحیح مسلم: کتاب الاعتکاف، باب الاجتھاد فی العشر الاخر من رمضان (۶) صحیح مسلم: کتاب الاعتکاف، باب اوّل، عن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما (۷) سنن ابن ماجۃ: کتاب الصیام، باب ۱۲ الاعتکاف فی خیمۃ المسجد، عن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ (۸) ایضاً، باب ۲۱ المعتکف یلزم مکانا من المسجد، عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما

*مُعْتَکَف میں داخل ہوتے، اس سے یہ مطلب نہ لیا جائے کہ اعتکاف کی ابتداء بیسویں روزے کی فجر سے ہوتی

ہے۔ بخاری و مسلم کی روایات سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی وفات تک آخری عشرے ہی میں اعتکاف فرمایا ہے اور آخری عشرہ تو اکیسویں شب سے شروع ہوتا ہے۔ لہٰذا مسنون طریقہ یہی ہے کہ اعتکاف کی ابتداء آخری عشرہ شروع ہونے سے پہلے کی جائے جو بیسویں روزے کے افطار کے بعد شروع ہو جاتا ہے۔ لہٰذا بیسواں روزہ اعتکاف میں ہی افطار کیا جائے۔ مُعْتَکِف (اعتکاف کرنے والا) بلا ضرورت مسجد سے باہر نہ جائے۔(۱) اگر مسجد میں کھانے پینے یا حوائجِ ضروریہ کا بندوبست نہیں ہے تو ان کے لیے مسجد سے باہر جا سکتا ہے۔(۲) معتکف سے اس کے رشتے دار، بیوی وغیرہ ملنے مسجد آ سکتے ہیں۔(۳) عائشہ رضی اللہ عنہا نے نبی ﷺ کا اعتکاف میں سر دھویا اور کنگھی کی۔(۴) جب سر دھلوایا جا سکتا ہے تو دھویا بھی جا سکتا ہے۔ اس لیے معتکف بوقتِ ضرورت اعتکاف کی حالت میں غسل بھی کر سکتا ہے اگر مسجد میں انتظام ہو۔ اگر ضرورت نہ ہو تو اعتکاف کا زیادہ سے زیادہ وقت مقامِ اعتکاف ہی میں گذارا جائے اور اپنی جگہ سے بغیر ضرورت کے نہ ہٹے۔

ماہِ مبارک میں اِنْفَاق

قرآن میں اللہ تعالیٰ نے سچے مومنوں کے جو اوصاف جگہ جگہ بیان کیے ہیں ان میں ایک یہ بھی ہے کہ وہ اللہ کے دیے ہوئے مال میں سے اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔ اولادِ آدم ایک ماں باپ کی اولاد ہیں، اس لیے ان میں باہم شفقت و محبت ہونا ضروری ہے، بالخصوص مومن بھائیوں میں۔ اس کا فطری تقاضا یہ ہے کہ مومن صالح کے دل میں ایک مسکین کی ضرورت کا احساس ہو اور اس کو پورا کرنے کے لیے اپنی محنت و مشقت کی کمائی میں سے کچھ خرچ کرے۔ یہ احساس اس ماہِ مبارک میں زیادہ شدید ہو جاتا ہے جبکہ بھوک، پیاس، عبادات اور قیام اللیل زیادہ سے زیادہ تقرب الی اللہ کا سبب بنتی ہیں تو خیر کے کاموں میں آگے بڑھنے کا شوق اور عزم و حوصلہ بھی بڑھتا ہے۔

نبی ﷺ کی عبادات وغیرہ کی شدت کا اندازہ اوپر بیان کی گئی حدیث سے ہوتا ہے اور انفاق اور دیگر خیر کے کاموں میں آپ ﷺ کی تیزی و تندہی کا نقشہ مندرجہ ذیل حدیث پیش کرتی ہے:

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ تمام لوگوں سے زیادہ سخی تھے اور رمضان میں (خصوصاً) بہت زیادہ سخاوت فرماتے جبکہ

(۱) سنن ابی داؤد: کتاب الصیام، باب ۲۵۷ المعتکف یعود المریض، عائشۃ
(۲) سنن ابی داؤد: کتاب الصیام، باب ۲۵۶ المعتکف یدخل البیت لحاجتہ، عن عائشۃ
(۳) صحیح بخاری: کتاب الصوم، باب ۱۲۶۸ زیارۃ المراۃ زوجھا فی اعتکافہ، عن صفیہ بنت حی رضی اللہ عنہا
(۴) صحیح بخاری: کتاب الصوم، باب ۱۲۷۶ المعتکف یدخل راسہ البیت للغسل، عن عائشۃ رضی اللہ عنہا

جبریل علیہ السلام آپ ﷺ سے ملاقات فرماتے، اور جبریل رمضان کی ہر رات میں آپ ﷺ سے ملاقات کرتے اور قرآن کا دور فرماتے تھے، اور ان دنوں میں آپ ﷺ کی سخاوت (بارش لانے والی) تیز ہوا سے بھی زیادہ ہوتی۔[1]

غرضیکہ جو اللہ کے بندے اپنے رب کی رحمت و مغفرت کے زیادہ سے زیادہ طلبگار ہیں، ان کو اس ماہِ مبارک کی سعادت کے حصول میں اس پہلو سے بھی کوتاہی نہ کرنی چاہیے۔ اس مہینے میں ہر عملِ خیر کا اجر بہت بڑھا چڑھا کر ملتا ہے اس لیے اس مہینے کو زکوٰۃ و صدقات کے لیے مخصوص کیجیے، اور صدقۃ الفطر کو عید الفطر سے پہلے ادا کیجیے تاکہ مستحقین عید کی تیاری میں اس کو استعمال کرلیں۔ اپنے بھائیوں کی مدد کے ذریعے رب کریم کی مغفرت و رحمت کا حقدار بن جانے کا موقع ہاتھ سے نہ جانے دیں۔

صدقۃ الفطر روزوں کی زکوٰۃ ہے جس کے ذریعے روزوں میں ہو جانے والی تقصیرات کا تزکیہ و ازالہ کیا جاتا ہے۔ یہ صدقہ ہر مسلم مرد عورت، چھوٹے بڑے سب پر ہے۔[2] صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جَو، گندم، کھجور، کشمش وغیرہ سے ایک صاع صدقۃ الفطر دیا کرتے تھے۔[3] صحاح کی بعض روایات سے نصف صاع گندم کی مقدار بھی ثابت ہے[4] اور مسلم کی روایت میں معاویہ و عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے قول سے اس کی تائید ہوتی ہے۔[5] اس طرح نصف صاع گندم صدقۃ الفطر کی بھی احادیث کی رو سے گنجائش موجود ہے۔ لیکن صاحبِ استطاعت ایک صاع ادا کریں تو بہتر ہے۔ یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ صاع کے تعین میں بھی کچھ اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک ایک صاع چار مُد لیا جاتا ہے جو تقریباً پونے تین کلوگرام ہوتا ہے، جبکہ دوسروں کے نزدیک ایک صاع پانچ مد لیا جاتا ہے جو تقریباً ساڑھے تین کلوگرام ہوتا ہے۔ عراقی اور شامی اوزان میں بھی کچھ فرق ہے۔ بہرحال احتیاط کے پیشِ نظر بڑا وزن اختیار کرنا قابلِ ترجیح ہے۔

اللہ تعالیٰ سے پرخلوص دعا ہے کہ وہ ہمیں اس ماہِ مبارک کی سعادتیں اور برکتیں سمیٹنے، اپنے اخلاق و کردار، سیرت و اطوار سنوارنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہمارے اندر اپنے متقی و مومن بندوں کے اوصاف پیدا کرے اور اس رحمت و برکت کے مہینے کی تربیت سے ہمارے حسنِ اخلاق اور نیک اعمال کی روش میں مداومت ہو! آمین

---

(۱) صحیح بخاری: کتاب الصوم، باب ۱۱۹۱ اجود ماکان النبی ﷺ یکون فی رمضان (۲) متفق علیہ، بحوالہ مشکوٰۃ، کتاب الزکوٰۃ، باب صدقۃ الفطر (۳) ایضاً (۴) سنن ابی داؤد و نسائی، بحوالہ مشکوٰۃ، ایضاً (۵) صحیح مسلم: کتاب الزکوٰۃ، باب زکوٰۃ الفطر